زندگی کی شاہراہ پر

حنا ملک

تم ہمارے بِن کیا ہو، ہم تمہارے بِن کیا ہیں
کائنات کے اندر، کائنات کے باہر
جب تمہارے بارے میں بات ہونے لگتی ہے
دُور جا نکلتا ہے سلسلہ سوالوں کا

"شزا! اب اٹھ جا، شام ہونے کو آئی ہے۔" دادی نے کوئی دسویں بار یہ فقرہ دہرایا۔ وہ "اوں ہوں" کر کے دوبارہ کروٹ بدل کر لیٹ گئی۔

"اے نیستی ماری! اٹھ جا ورنہ جوتے سے وہ پٹائی کروں گی کہ یاد کرے گی۔" دادی کی دھمکی کارگر ثابت ہوئی۔ وہ منہ بناتی اٹھ گئی۔ "نماز کا بھی ہوش نہیں ہے کمبخت کو۔" دادی نے لتاڑا۔ وہ وضو کرنے کی غرض سے واش روم میں گھس گئی۔ عصر کی اذان ہو رہی تھی۔ نماز پڑھ کر وہ برآمدے کی سیڑھیوں پر آ بیٹھی۔ آنگن میں ہلکی ہلکی دھوپ تھی، جو اب دیواروں پر چڑھ گئی تھی۔ سکھ چین کا پیڑ بھی گم صم سا کھڑا تھا۔ ہوا بند تھی اور ماحول میں عجیب سی گرمی اور حبس تھا۔ اوائل ستمبر کے دن تھے، دیوار کے پاس موجود کیاری میں ٹماٹر، لیموں، ہری مرچ اور دھنیے کے پودے بھی بے حس و حرکت تھے۔ کبھی کبھی کوئی ہوا کا ننھا سا جھونکا آتا تو سکھ چین کے پیڑ پر چند پتے ذرا سی حرکت کرتے اور پھر خاموش ہو جاتے۔ پیڑ کی اوپری شاخ پر چڑیاں بیٹھی چہچہا رہی تھیں۔ وہ کچھ بوری ہو کر اٹھنے ہی لگی تھی کہ بائیک کے رکنے اور پھر مخصوص ہارن بجنے کی آواز آئی۔

"بُرا، علی بھائی آ گئے۔" وہ نعرہ لگا کر دوڑی اور دروازہ کھول دیا۔ "دادی! دیکھیں کون آیا ہے!" وہ علی کے بازو تھامے اندر داخل ہوئی۔

"السلام علیکم نانی اماں۔" وہ ان کے سامنے جھکا۔

"جیتے رہو میرے بچے۔" دادی نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"اور گڑیا! تم سناؤ، کالج کیسا جا رہا ہے؟" وہ اب شزا سے پوچھنے لگا، جو لاڈ سے اس کے کندھے سے لگی بیٹھی تھی۔

"اے ون۔ پتا ہے کالج میں ہم اپنی مرضی سے کلاسز لیتے ہیں۔ جب موڈ ہوا کلاس بینک کر دی۔" وہ بڑی معصومیت سے اسے "کالج لائف" کے بارے میں آگاہ کرنے لگی۔ علی دھیرے سے ہنس دیا۔ ابھی چند دن ہوئے تھے اسے کالج میں فرسٹ ایئر میں ایڈمیشن لیے ہوئے۔

"اچھا۔ یہ دیکھو میں تمہارے لیے ٹافیاں لایا ہوں۔" علی نے حسبِ عادت اپنی جیب میں سے ٹافیوں کا پیکٹ اور چند چاکلیٹس اس کی طرف بڑھائیں تو وہ ناراض ہوگئی۔

"آپ مجھے ابھی تک بچی ہی سمجھتے ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"بھئی ٹافیاں تو بچے کھاتے ہیں۔" اسے سخت چڑ تھی کہ کوئی اسے بچی کہے جبکہ اب وہ "کالج گرل" بن چکی تھی۔

"اچھا' تو اب ہماری گڑیا بڑی ہوگئی ہے۔ مگر کیسے بھئی؟"

"قد ملالیں' دیکھیں۔" وہ علی کا ہاتھ تھام کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا سر بمشکل علی کے شانے تک پہنچتا تھا۔ وہ اچک اچک کر اپنا قد بڑا ظاہر کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

"بس بس گڑیا' سکس ون اور فائیو فور میں بڑا فرق ہوتا ہے۔" علی نے اسے اپنے اور اس کے قد کے فرق کے بارے میں بتایا۔

"ایسے ہی' دیکھئے گا چند ماہ تک میرا قد بھی بڑا ہوجائے گا۔"

"ہاں۔ بس قد بڑھانے کا شوق ہے' کام کرتے ہوئے تو موت آتی ہے اسے۔" دادی جو کافی دیر سے خاموش بیٹھی تھیں' بول اٹھیں۔

"افوہ دادی' کیا ہے۔ ہر وقت کام' کام' کام۔ مجھے تو لگتا ہے یہ قول آپ نے ہی قائداعظم کو دیا ہوگا۔" وہ منہ بنانے لگی۔

"بک بک کرنی آتی ہے تجھے تو۔" دادی نے سر جھٹکا۔

"علی بھائی! آپ کے سی ایس ایس کا کیا بنا؟"

"ہمتِ مرداں مددِ خدا۔ دوبارہ تیاری کر رہا ہوں اور دیکھنا اس بار تمہارا بھائی ضرور کامیاب ہوگا۔ اور پھر جب میں اے ایس پی بن جاؤں گا تو سب سے پہلے اپنی اس گڑیا سی بہن کو مٹھائی کھلاؤں گا۔" علی کے کہنے پر وہ مسکرادی اور بڑے فخر اور پیار سے اس کے کندھے پر ٹکادیا۔

♥♥♥

"تم رو کیوں رہی ہو؟" علی کی نظر کچن میں داخل ہوتے ہی شزا پر پڑی تھی۔

"رو کہاں رہی ہوں۔ دیکھ نہیں رہے پیاز کاٹ رہی ہوں۔" وہ آنکھیں دوپٹے کے پلو سے پونچھتے ہوئے مسکرائی۔

"نانی اماں کہاں ہیں؟"

"اندر اپنے کمرے میں' نماز پڑھ رہی ہوں گی۔"

"اس وقت' کون سی نماز؟"

"نفل پڑھ رہی ہوں گی۔ یا وہ کیا کہتے ہیں چاشت' اشراق' اوابین۔ پتا نہیں کوئی نماز تو ہوگی۔"

"لاؤ میں پیاز کاٹ دیتا ہوں۔ تمہاری آنکھیں تو بالکل سرخ ہو رہی ہیں۔"

"آپ آپ کاٹیں گے؟" وہ ہنسنے لگی۔

"ہاں۔ اس میں کون سی بڑی بات ہے۔ ابھی دو منٹ میں یہ سارے پیاز کاٹ دوں گا۔" علی نے چھری اس کے ہاتھ سے لے لی۔ وہ قریب ہی اسٹول پر چڑھ کر بیٹھ گئی۔

"ویسے یہ بن کیا رہا ہے؟" وہ بڑی تیزی سے پیاز کاٹتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"انڈے اور پیاز کی بھجیا۔" وہ مزے سے سبزی کی ٹوکری میں سے گاجر اٹھا کر کھانے لگی۔ ساتھ ساتھ تبصرے بھی کر رہی تھی۔

"علی! یہ تو کیا کر رہا ہے بچے؟" دادی اندر داخل ہوتے ہی بولیں۔

"نانی! پیاز کاٹ رہا ہوں۔" اس سے آنکھیں بالکل نہیں کھولی جارہی تھیں۔

"ارے شزا۔ خدا کی مار ہو تجھ پر۔ خود مزے سے بیٹھی ہے اور بھائی کو لگا دیا کام پر۔" دادی نے اس کی پیٹھ پر ایک ہاتھ جڑ دیا۔

"دادی! میں نے کب کہا۔ علی بھائی خود ہی ضد کر رہے تھے۔" وہ پیٹھ سہلانے لگی۔

"اے بس کر۔ جیسے میں تجھے جانتی نہیں۔ میں کہتی ہوں سیکھ لے کچھ۔ گھر داری ہی عورت کا زیور ہے۔ وہ عورت ہی نہیں جو گھر داری نہ جانتی ہو۔" دادی کا پسندیدہ لیکچر شروع ہوگیا۔ شزا کی رگِ شرارت پھڑکی۔

"تو دادی کیا وہ مرد ہوتی ہے۔" بڑی معصومیت سے پوچھا گیا۔ علی زیرِ لب مسکرا دیا۔

"لو اور سنو۔ لڑکی، کبھی عقل کی بات بھی کر لیا کر۔ لوٹھا کی لوٹھا ہوگئی مگر حرکتیں وہی بچوں والی ہیں۔ اپنی اولاد کے ساتھ بھی ہاکی، بلے کھیلتی پھرے گی۔" دادی نے نخوت سے سر جھٹکا۔

"دادی! خود ہی تو کہا کہ وہ عورت نہیں تو میں یہی سمجھی کہ....."

"چپ بے غیرت۔ بھائیوں کے سامنے ایسی باتیں کرتے ہیں۔ چل جا اپنے کمرے میں۔" دادی نے سرعت سے اس کی بات کاٹی۔ وہ منہ بسورتی باہر نکل گئی۔

"نانی! خواہ مخواہ ڈانٹ دیا بے چاری کو۔" اس کے جانے کے بعد علی نے کہا۔

"اے رہنے دو۔ جوان جہان لڑکی ہے، کوئی دودھ پیتی بچی تو نہیں۔ کل کو اس کا بیاہ بھی کرنا ہے۔ سسرال میں صرف چاند سا چہرہ کام نہیں آتا۔ پیٹ خالی ہو تو چاند بھی زہر لگنے لگتا ہے۔"

"مگر نانی اماں! ابھی تو بچی ہے وہ۔"

"یہ تم نے ہی اسے بچی بچی کہہ کر سر پر چڑھا رکھا ہے۔ بس ایک دو ماہ تک اس کی شادی کر رہی ہوں میں۔"

"نانی! ابھی اگر وہ آگے پڑھنا چاہتی ہے تو اسے اس کا شوق پورا کرنے دیں۔"

"بس، جتنا پڑھنا تھا، پڑھ لیا۔ میری زندگی کا کیا بھروسہ۔ اس لیے چاہتی ہوں کہ اپنی زندگی میں ہی اس کا گھر بسا ہوا دیکھ لوں۔"

"نانی! اللہ آپ کو سلامت رکھے اور پھر میں بھی تو ہوں۔"

"ہاں علی۔ جس طرح تو نے اسے پیار دیا ہے اللہ تجھے خوش رکھے۔ ورنہ بے چاری بچی تو والدین کی موت کے بعد بکھر کر رہ گئی تھی۔"

دادی کا لہجہ آزردہ ہوگیا۔ ان کے بیٹے سرمد اور بہو شازیہ کاٹرین کے حادثے میں انتقال ہوگیا تھا۔ شازیہ کے میکے میں صرف ایک بھائی تھا، جو شارجہ گیا تو پھر لوٹ کر نہ آیا۔ اس وقت شزا صرف چار برس کی تھی اور علی پندرہ برس کا۔ دادی کے ساتھ ساتھ علی نے اسے جس طرح پیار اور اعتماد دیا تھا، اس سے اس کی محرومی کا احساس نہیں ہوتا تھا۔

♥♥♥

"دادی! اتنے دن ہوگئے۔ علی بھائی نہیں آئے۔" آٹا گوندھتے ہوئے اچانک اسے خیال آیا۔

"اپنی پڑھائی لکھائی میں مصروف ہوگا۔ بچہ بے چارہ محنت بھی تو اتنی کرتا ہے۔"

"دادی! عظمیٰ باجی کی شادی ہو رہی ہے؟"

"ہاں۔" دادی نے گویا سرد آہ بھری اور ایک نظر اس پر ڈالی، جو پُرشوق نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"کب ہے؟"

"اس ماہ کی پچیس کو ہے شاید۔"

"اس کا مطلب ہے شادی میں تو صرف دس دن رہ گئے ہیں۔" اس نے انگلیوں پر گنا۔ "دادی مجھے کپڑے بنوانے ہیں۔"

"یہ ابھی پچھلے سال تو ریاض کے بیٹے کی شادی پر دو سوٹ بنوا کر دیئے تھے۔" دادی نے عینک کے پیچھے سے گھورا۔

"پرانے ہوگئے ہیں۔ آؤٹ آف فیشن۔ اب میں پرانے کپڑے پہنتے ہوئے کیا اچھی لگوں گی۔"

"صرف ایک سوٹ ملے گا۔"

"صرف ایک سوٹ۔" وہ صدمے سے چلائی۔

"یہ بھی غنیمت ہے۔ چھوڑ گیا ہے ناں تیرا باوا پلازے اور مربعے جو میں مہارانی کو ہر فنکشن پر نیا سوٹ بنوا کر دوں۔"

"اور وہ جو پچھلے مہینے آپ نے پانچ سوٹ لیے تھے وہ۔"

"ان کی طرف نظر اٹھا کر بھی مت دیکھنا۔"

"مگر کیوں؟"

"وہ جہیز کے لیے ہیں۔"

"کس کا جہیز؟"

"میرا۔" دادی نے چڑ کر کہا۔

"دادی! اس عمر میں۔" اس کے تقریباً اچھلنے پر دادی نے چپل اٹھا کر اسے دے ماری۔

"کم بخت ہر وقت اول فول بکتی رہتی ہے۔" وہ ہنسنے لگی تھی۔

عظمیٰ علی کے چچا کی بیٹی تھی۔ وہ لوگ ایک ہی گھر میں رہتے تھے مگر الگ الگ پورشنز تھے۔ شزا کا اُن کے گھر آنا جانا تھا اس لیے خاصی دوستی تھی اُن کے ساتھ۔ وہ تھی ہی ایسی، جہاں جاتی دوست بنا لیتی۔ اس نے کسی نہ کسی طرح دو سوٹ بنوا ہی لئے۔ اس وقت اس کی خوشی دیدنی تھی، جب علی نے بھی اسے ایک خوب صورت سا سوٹ لے کر دیا۔ دادی نے دیکھا تو علی کو ڈانٹ دیا۔

"اتنا مہنگا سوٹ لے دیا اسے۔"

"نانی! زیادہ مہنگا نہیں ہے۔"

"ارے مت بگاڑ اس کی عادتیں۔"

"کیا ہے نانی۔ خوش ہو جائے گی۔ اور ہاں، چلیں میں آپ دونوں کو لینے آیا ہوں۔ چچی نے خاص تاکید کی ہے۔"

"ارے۔ ابھی تو شادی میں تین دن پڑے ہیں۔"

"کمال کرتی ہیں آپ بھی، وہاں گھر میں لوگوں نے مہینے بھر سے ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں۔ شزا بھئی چلو اپنا بیگ تیار کر لو۔" نانی کے ساتھ ہی شزا کو بھی آواز دے ڈالی۔

گھر پہنچتے ہی سب نے شزا کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ روزانہ رات کو ڈھولک رکھی جاتی۔ خوب ہلہ گلہ ہوتا۔ مہندی کے روز چوڑی دار پاجامہ اور ہاف سلیوز فلنگ والی شرٹ میں اس کا متناسب سراپا بے حد جچ رہا تھا۔ بالوں کی چوٹی بنا رکھی تھی اور چہرے کے اطراف رولرز نے اس کی خوب صورتی میں چار چاند لگا دیئے تھے۔ ہلکا پھلکا میک اپ بہت اچھا لگ رہا تھا۔ وہ پہچانی نہیں جا رہی تھی۔ ایک لمحے کو تو علی بھی دھوکہ کھا گیا تھا۔

"ارے۔ یہ پری کون ہے؟" شرارت سے کہا۔

"علی بھائی! یہ پری شزا ہے۔" وہ اترائی۔

"مگر کچھ پریاں درحقیقت ڈائنیں بھی تو ہوتی ہیں ناں۔"

"علی بھائی۔" اس کے تقریباً چلانے پر وہ مسکرا کر آگے بڑھ گیا۔

دولہا والے آ گئے تھے۔ خوب رونق ہو رہی تھی، شزا ہر کسی کی مرکزِ نگاہ بنی ہوئی تھی۔ دولہا سے نیگ لیتے وقت وہ آگے آگے تھی۔ دولہا کی انگلی پر مہندی لگا کر شزا نے انگلی تھام لی۔

"چلیے جیجا جی! اب جلدی سے نیگ نکالیے۔"

"آپ نے غلط انگلی پکڑ رکھی ہے۔" دلکش آواز، گھمبیر لہجہ۔ شزا نے چونک کر آواز کی سمت دیکھا۔

"جی؟"

"دراصل ہمارے ہاں رواج ہے کہ دولہا کی بجائے اس کے دوست کی انگلی تھامی جاتی ہے۔" شریر آنکھیں اسی پر جمی تھیں۔

"ہمیں بے وقوف بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ چمک کر بولی۔

"بنانے کی کیا ضرورت ہے۔" وہ شرارت سے مسکرایا۔ "بدتمیز۔" وہ دل ہی دل میں اسے کوس کر رہ گئی۔

"آپ کے ہاں کچھ بھی رواج ہو، مگر ہم اپنے رواج کے مطابق چلیں گے۔" وہ دوٹوک انداز میں بولی تو سب کزنز نے اس کی تائید کی۔

"سوچ لیں۔ نیگ والی ڈبیا ہمارے پاس ہے۔" اس نے اپنی جیب میں سے سرخ مخملیں ڈبیا نکالی۔

"ہمیں نہیں چاہئے یہ نیگ۔" وہ خفا ہو کر اٹھنے لگی۔ اسے اس شخص پر غصہ آنے لگا۔ خواہ مخواہ بے تکلف ہو رہا تھا۔

"ارے ارے۔ آپ تو ناراض ہو گئیں۔" اس نے شزا کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ سرعت سے پلٹی اور ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑوایا۔

"یہ لیجئے۔" ڈبیا اس کی طرف بڑھائی۔ وہ لینا نہیں چاہتی تھی مگر فیصل (دولہا) کے کہنے پر لینا پڑی۔ بڑے اشتیاق سے ڈبیا کھولی اور اگلے ہی لمحے سب لڑکیاں چیخ مار کر دور ہٹی تھیں۔ ڈبیا میں کاکروچ تھا' جو اچھل کر باہر آ گیا تھا۔ شزا نے ایک قہر آلود نگاہ اس پر ڈالی۔ وہ بڑے مزے سے قہقہہ لگا رہا تھا.....

عظمیٰ کی رخصتی کے وقت خود بخود اس کی آنکھیں بھی بھر آئی تھیں۔

"یہ لیجئے۔" شزا نے چونک کر سر اٹھایا۔ وہ پُرشوق نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"یہ کیا ہے؟"

"ارے' آپ کو نہیں پتا۔" وہ حیران ہونے کی ایکٹنگ کرنے لگا۔ "ویسے اسے لالی پاپ کہتے ہیں۔"

"میں کیا کروں اس کا؟"

"کھائیں اور کیا۔"

"مگر کیوں؟"

"دراصل ابھی آپ رو رہی تھیں ناں اور میرا خیال ہے روتے بسورتے بچوں کو لالی پاپ دے کر بہلایا جا سکتا ہے۔"

"میں..... میں آپ کو بچی لگتی ہوں؟"

"بائی دی وے مس شزا! آپ....."

"ارے۔ آپ کو میرا نام کیسے معلوم ہوا؟" اس نے اس کی بات کاٹ دی۔

"یہ کوئی ایسا مشکل کام تو نہیں ہے۔" وہ دلکشی سے مسکرایا۔

"آپ نہایت ہی فضول شخص ہیں۔ خواہ مخواہ بے تکلف ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"آپ نے میرا نام نہیں پوچھا؟"

"مجھے کوئی شوق نہیں ہے فضول لوگوں کے نام جاننے کا۔" شزا منہ پھلا کر چلی گئی۔ وہ زیر لب مسکرا کر رہ گیا۔

"علی بھائی! کیا بات ہے' کوئی کام ہے کیا؟" عظمیٰ کی رخصتی کب کی ہو چکی تھی۔ وہ ابھی کپڑے چینج کرنے کی غرض سے کمرے کی طرف جا رہی تھی' جب علی کو گوں مگوں کی کیفیت میں کھڑے ہوئے پایا۔

"ہاں' وہ چائے..... چائے چاہئے تھی۔" وہ جو کسی خیال کے تحت تھا' چونک گیا۔

"میں بنا دیتی ہوں۔" وہ کچن کی طرف مڑی۔

"آں..... وہ شزا۔ میں اُدھر باہر والے کمرے میں ہوں اور سنو۔ چار کپ چائے بنانا۔" علی یہ کہہ کر چلا گیا۔ شزا کپڑے چینج کرنے کا ارادہ ترک کر کے چائے بنانے چلی گئی۔

ہاتھ میں ٹرے تھام رکھا تھا جس کی وجہ سے دستک نہ دے سکی۔ دروازہ پوری طرح بند نہیں تھا۔ ذرا سی ٹھوکر سے کھلتا چلا گیا۔ علی کے دوستوں کو دیکھ کر وہ گھبرا گئی۔ جلدی جلدی ٹرے علی کو پکڑا کر باہر نکل گئی۔

"کون تھی یہ معصوم حسینہ؟" علی کے منہ چڑھے دوست زاہد نے پوچھا۔

"بہن ہے میری۔" اس نے سرسری سا جواب دیا۔

"بکواس نہ کراوے۔"

"اس میں بکواس والی کون سی بات ہے؟" وہ چائے کپوں میں انڈیلنے لگا۔

"جہاں تک ہمیں معلوم ہے' تیری صرف ایک ہی بہن ہے' جن کی شادی کو چار پانچ سال تو ہونے ہی والے ہوں گے۔"

"یار! ماموں کی بیٹی ہے۔"

"تو یوں کہہ ناں۔ کون سی تیری سگی بہن ہے۔"

''یہ سگی، سوتیلی کیا ہوتا ہے۔ بس میری بہن ہے وہ۔''

''تو عجیب شخص ہے علی۔ بہن صرف سگی ہوتی ہے۔ وہ تو پھر تیرے ماموں کی بیٹی ہے۔ اتنی حسین لڑکی ہے ایسا کر تو شادی کرلے اس سے لائف بن جائے گی۔

''زاہد!'' وہ فوراً بھڑک اٹھا تھا۔ ''خبردار جو آئندہ ایسی بات منہ سے بھی نکالی ہو۔''

''ایزی یار۔ کول ڈاؤن۔'' خرم نے علی کو سنبھالا۔

''سوری یار۔ اگر تجھے بُرا لگا ہو۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تو اس کے بارے میں اتنا سیریس ہے۔'' زاہد نے فوراً غلطی تسلیم کرلی، جس پر علی کا غصہ بھی ذرا ٹھنڈا ہوگیا تھا۔ وہ سب تو کچھ دیر بعد چلے گئے جبکہ علی ڈبل مائنڈڈ سا ہوکر رہ گیا تھا۔

❤❤❤

پھوپو! اب آپ بھی علی بھائی کی شادی کر ہی دیں۔''

''ارے میرا بس چلے تو ابھی پکڑ کر بیاہ دوں پر بے روزگار کو لڑکی دے گا کون؟''

''ایسے ہی۔ اتنے اچھے ہیں میرے علی بھائی، آپ نام تو لیں، پھر دیکھئے گا قطاریں لگ جائیں گی رشتوں کی۔''

''ابھی تو وہ پڑھ رہا ہے۔''

''ہاں۔ یہ تو ہے۔'' وہ چپ سی ہوگئی۔

''شزا! جاؤ ذرا جاکر علی کو جگاؤ، دن چڑھ آیا ہے۔''

''جی اچھا۔'' وہ چپل پیروں میں ڈالتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''علی بھائی، اٹھ بھی جائیں اب۔'' شزا نے اس کا شانہ ہلایا۔

''ہوں۔ کیا ہے؟ سونے دو یار۔'' اس نے کروٹ بدلی۔

''دوپہر ہونے والی ہے اب اٹھ جائیں۔'' شزا نے اس پر سے کمبل کھینچ لیا۔ وہ منہ بناتے ہوئے اٹھ گیا۔ واش روم سے باہر آیا تو وہ ابھی تک اس کے کمرے میں ہی موجود تھی۔ علی نے ایک نظر اس کے بے فکر اور لاپروا انداز پر ڈالی۔ کل تک گڑیا سی نظر آنے والی آج ایک خوبرو نوجوان دوشیزہ نظر آرہی تھی۔ اس نے سر جھٹکا۔

''علی بھائی! پتا ہے پھوپو کو میں نے بڑا ہی شاندار مشورہ دیا ہے۔'' وہ رسالہ ایک طرف رکھ کر اس کے قریب آئی۔

''اچھا۔'' وہ زبردستی مسکرایا۔ ''وہ کیا؟''

''یہی کہ اب آپ کو بھی زنجیریں پہنا دینی چاہئیں۔'' شزا نے اپنے بازو اس کے گلے میں حمائل کیے۔ کل تک یہ ایک بہت عام سی بات تھی مگر جانے کیوں آج علی کو شزا کا یوں بے تکلفی سے قریب آنا عجیب سا لگ رہا تھا۔ بڑے غیر محسوس انداز میں اسے خود سے دور کیا۔

''کیا مطلب؟'' وہ وارڈروب کی طرف بڑھا۔

''یہی کہ اب آپ کی بھی شادی کردینی چاہئے۔''

''پاگل۔'' وہ مسکرایا۔ ''میری فکر چھوڑو اور اپنی خیر مناؤ۔ نانی اماں تمہیں ٹھکانے لگانے کو بالکل تیار بیٹھی ہیں۔''

''افوہ۔ یہ بیچ میں میرا ذکر کہاں سے آگیا۔'' وہ جھلائی اور باہر نکل گئی۔

''اوہ گاڈ۔ یہ مجھے کیا ہورہا ہے۔ شاید زاہد کی کل والی باتوں کا اثر ہے۔'' اس نے شدومد سے سر جھٹکا گویا دماغ میں چھپا فتور بھگانے کی کوشش کی۔

❤❤❤

پھر کوئی رشتہ آگیا تھا اور دادی بے حد خوش تھیں۔ ابھی کل ہی تو پھوپو کو گھر بلوا کر مشورہ لیا تھا۔ علی بھی ساتھ ہی تھا۔ چپ چاپ دونوں ماں بیٹی کی باتیں سنتا رہا۔

''عائشہ! اچھا خاصا امیر گھرانہ ہے۔ لڑکا اپنے ابا کے ساتھ کاروبار کرتا ہے ادھر ولایت میں۔ نند کا کوئی جھگڑا ہی نہیں، لڑکے کا بڑا بھائی اپنی بیوی کے ساتھ دوسرے ملک میں رہتا ہے۔'' دادی تفصیلات بتا رہی تھیں۔

''پر اماں ہیں کون لوگ۔ لڑکے کا نام کیا ہے؟''

''عظمیٰ کے میاں کا دوست ہے۔ ارے وہ کیا بھلا نام تھا لڑکے کا۔ ہاں شہریار۔ اے ہاں یہی نام بتایا تھا لڑکے کی ماں پھر آنے کا کہہ گئی ہیں۔ مجھے تو رشتہ اچھا

ہے۔ لڑکے کی تصویر لائی تھیں' بڑا خوب صورت بچہ ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے اماں۔ مگر اتنی دور پردیس میں بچی کو بھیجنے کو جی نہیں مانتا۔"

"ہاں' یہ خیال تو مجھے بھی آیا تھا' پر خیر ہے اللہ مالک ہے۔ ہونا تو وہی ہے جو مقدر میں لکھا ہے۔"

"علی! تم کیا کہتے ہو؟" عائشہ نے خاموش بیٹھے علی سے پوچھا۔

"جی۔" وہ چونکا۔ "میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ میں ساری تفصیلات معلوم کرلوں گا۔"

دادی اور پھوپو پھر سے باتوں میں مصروف ہوچکی تھیں۔ شزا نے ڈھیر ساری دعائیں مانگی تھیں کہ یہ رشتہ نہ ہو مگر رشتہ طے ہوگیا۔ منگنی کی بجائے ان لوگوں نے نکاح پر اصرار کیا۔ شہریار کا کہنا تھا کہ وہ نکاح کرے گا تو شزا کا ویزہ جلد لگ جائے گا۔ رخصتی ایک سال کے بعد ہونا قرار پائی۔ شزا نے نکاح کے روز ہی شہریار کو دیکھا تھا اور چونک گئی تھی۔

"لالی پاپ کھائیں گی؟" اس نے اپنی جیب سے لالی پاپ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ اس کی شریر نگاہوں نے شزا کو نظریں جھکانے پر مجبور کردیا تھا۔ جب سے نکاح ہوا تھا' وہ ہر دم شہریار کے ہی خیالوں میں کھوئی رہتی تھی۔ ابھی اس کی عمر ہی کتنی تھی' اٹھارہ برس۔ ذہن ناپختہ تھا اور اگر وہ شہریار کو سوچتی بھی تھی تو ایسا کچھ غلط نہیں تھا کیوں کہ ہر طرف سے اسے یہی باور کروایا گیا تھا کہ اب وہی اس کا سب کچھ ہے۔

اس روز اسے عظمیٰ زبردستی اپنے گھر لے گئی تھی۔ دادی سے یہی کہا تھا کہ چند مہمان آرہے ہیں اور وہ تنہا ہینڈل نہیں کرسکتی۔ وہ اپنی سسرال سے الگ رہتی تھی۔ عظمیٰ اسے ایک کمرے میں بٹھا کر خود نجانے کہاں جا گھسی تھی۔ وہ کچھ دیر یوں ہی بیٹھی رہی پھر اٹھ کر ٹیرس میں آ کھڑی ہوئی۔ وہ دھیرے دھیرے گنگناتے ہوئے واپس پلٹی تو دل دھک سے رہ گیا۔ وہ نقاب پوش اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ چیخنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا جب بڑی سرعت سے مضبوط مردانہ ہاتھ اس کے منہ پر رکھ دیا گیا تھا۔

"خبردار! آواز نکالی تو گلا دبادوں گا۔" وہ اسے گھورنے لگا۔ شزا پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"لڑکی! آج میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" اس ڈاکو نے تیز دھار والا بڑا سا خنجر نکالا جسے دیکھتے ہی شزا کا رنگ زرد پڑ گیا۔ قریب تھا کہ چکرا کر گر پڑتی' جب اس نے سنبھالا۔

"شزا! آر یو آل رائٹ' میں شہریار ہوں۔ میں تو صرف مذاق کررہا تھا۔"

"کک ..... کون؟" اس کے حواس بحال ہونے لگے تھے۔

"میں ہوں' شہریار۔ کم آن یار' اتنی بزدل ہو۔" شہریار نے پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھایا' اس کے حواس بحال ہوگئے۔

"وہ..... ڈ..... ڈاکو؟؟؟"

"وہ میں تھا۔"

"آ..... آپ!! آپ کو شرم نہیں آتی؟" وہ چلائی۔

"پہلے آتی تھی' اب نہیں آتی۔" وہ ڈھٹائی سے مسکرایا۔

"آپ نہایت ہی فضول شخص ہیں۔" وہ منہ پھلا کر بولی۔

"جیسا بھی ہوں' آپ ہی کا ہوں۔" اس کے کہنے پر وہ دھیرے سے مسکرادی۔

"آپ کو یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔"

"کیوں نہیں آنا چاہیے تھا؟"

"عظمیٰ باجی اور فیصل بھائی کیا سوچیں گے؟"

"یہی کہ شوہر اپنی بیوی سے ملنے آیا ہے۔" وہ خاصا بے باک واقع ہوا تھا۔ شزا بُری طرح شرما گئی۔ "ویسے اطلاعاً عرض ہے کہ آپ کی عظمیٰ باجی اور فیصل بھائی جاچکے ہیں۔"

"جا چکے ہیں اگر کہاں؟"

"یوں ہی گھومنے پھرنے۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"مگر عظمیٰ باجی تو کہہ رہی تھیں کہ مہمان آرہے ہیں اور ان کی خاطر......"

"ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھیں۔" وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔ "میں مہمان ہوں اور میری خاطر مدارات کرنا تمہارا فرض بلکہ فرضِ عین ہے۔" وہ شرارت سے اس کی طرف بڑھا۔ وہ ہراساں سی پیچھے کو ہٹتی گئی۔ وہ مسکرارہا تھا۔ شزا کو اس کے ارادے خطرناک لگ رہے تھے

"ہم...... میں جاتی ہوں۔" وہ گھبرا کر دروازے کی طرف بڑھی تو وہ راہ میں حائل ہوگیا۔

"گھر میں کوئی نہیں ہے۔ مدد کو کوئی نہیں آئے گا۔ باہر کا دروازہ بھی بند ہے" اسے ڈرانے میں لطف آرہا تھا۔ وہ روہانسی ہوگئی۔ قریب تھا کہ بھل بھل رونے لگتی، جب شہریار نے ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا۔

"مجھ سے ڈرتی ہو۔ کیا اعتبار نہیں ہے مجھ پر؟" وہ کیا جواب دیتی، سر جھکا کر رہ گئی۔

"وہ عظمیٰ باجی آگئیں۔" اس کی ترکیب کارگر ثابت ہوئی تھی۔ شہریار فوراً پلٹا تھا اور وہ جھپاک سے باہر نکل گئی تھی۔ شہریار اس کی شرارت پر مسکرا کر رہ گیا۔

♥♥♥

شزا دیکھ رہی تھی کہ علی کا رویہ کچھ عجیب سا ہوگیا تھا۔ پہلے جیسی بے تکلفی نہیں رہی تھی۔ علی نے آنا جانا بھی کم کردیا تھا۔

"دادی! علی بھائی نہیں آئے اتنے دنوں سے۔" وہ دل کی بات زبان پر لے آئی۔

"ہاں۔ عائشہ بتا تو رہی تھی کہ اس کے پرچے ہورہے ہیں۔"

"ارے یہ خیال مجھے کیوں نہیں آیا۔ یقیناً وہ اپنے ایگزامز میں مصروف ہوں گے۔" اگلے دو ہفتے تک علی نہ آیا تو وہ خود بے چین ہوکر پھوپو کے گھر چلی آئی۔ وہ اس کے کمرے میں آئی تو سامنے ہی وہ بیٹھا تھا، کتابوں میں سر دیئے۔ آہٹ پر وہ چونکا۔

"ارے شزا! کس کے ساتھ آئی ہو؟"

"دادی کے ساتھ، علی بھائی۔ آپ کے ساتھ میری پکی پکی ناراضی ہے۔" وہ منہ پھلا کر کھڑی ہوگئی۔

"کیوں بھئی۔ کیا خطا ہوگئی ہم سے؟" علی نے پیار سے اسے بازو کے حلقے میں لے لیا۔

"پتہ بھی ہے۔ پورے ڈیڑھ ماہ سے آپ گھر نہیں آئے۔ کیا آپ کو میری اتنی سی بھی یاد نہیں آئی؟"

"سوری یار۔ تمہیں تو پتا ہے میرے ایگزامز ہورہے ہیں اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ مجھے تمہاری یاد نہ آئی ہو۔"

"آئندہ ایسا مت کیجئے گا۔ میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتی۔" شزا اس کے سینے میں چہرہ چھپا کر بلکنے لگی۔

"ارے یہ کیا بھئی، یہ آنسو کس بات کے؟" علی نے اسے چمکارا مگر وہ تو رونے میں مصروف تھی۔

"میں آپ کے بغیر مرجاؤں گی علی بھائی۔"

"پگلی۔ تمہیں ساری زندگی تھوڑا ہی ہمارے پاس رہنا ہے۔ تمہیں تو کینیڈا فلائی کر جانا ہے۔" شرارت سے اس کی ٹھوڑی کو چھوا، وہ شرما گئی۔ علی دھیرے سے مسکرا دیا۔

♥♥♥

دادی نے علی کو شہریار کے گھر بھیجا تھا، اس کے والد کی طبیعت خراب تھی اور علی اُن ہی کی عیادت کرنے آیا تھا۔ ملازم اسے ڈرائنگ روم میں بٹھا کر خود نجانے کہاں چلا گیا تھا۔ وہ یوں ہی اٹھ کر باہر چلا آیا۔ شزا کا نام سن کر اس کے قدم میکانکی انداز میں رکے تھے۔ ساتھ والے کمرے سے باتوں کی آوازیں آرہی تھیں۔

"تم نے کبھی سوچا ہے کہ ان کے اور ہمارے اسٹیٹس میں کتنا فرق ہے۔ میں تو تمہاری ضد پر مجبور ہوگئی ہوں۔ مجھے تو یہ فکر کھائے جارہی ہے کہ لوگ کیا کہیں گے۔"

"سو واٹ مما۔ لوگ کچھ بھی کہیں، مجھے صرف اپنی خوشی عزیز ہے۔"

"ہونہہ۔ مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگانے چلا ہے۔" وہ

نخوت سے بولیں۔
"فار گاڈ سیک مما..... ڈیڈی' آپ کیوں نہیں سمجھاتے مما کو؟"
"تمہاری مما کچھ غلط نہیں کہہ رہیں۔"
"ڈیڈی! آپ بھی....." علی کے لیے وہاں رکنا دوبھر ہوگیا۔ وہ الٹے قدموں واپس لوٹ آیا۔ وہ بے حد ٹینس ہو رہا تھا۔ ساری بات عائشہ کو بتائی تو وہ بھی پریشان ہوگئیں۔ نکاح ہو چکا تھا۔ سارے خاندان' برادری کو معلوم تھا۔ شزا نے علی اور عائشہ کی باتیں سن لی تھیں جس پر اس کی حالت عجیب سی ہو رہی تھی۔ شہریار نے بھی پلٹ کر خبر نہ لی تھی۔ اس روز کالج سے واپسی پر بس اسٹاپ پر کھڑی تھی' جب میرون چمچماتی ہوئی کرولا اس کے پاس آ کر رکی۔
"آؤ بیٹھو۔" اس نے فرنٹ ڈور کھول دیا۔ وہ تھوڑی سی پس و پیش کے بعد بیٹھ گئی۔
"کیسی ہو؟"
"کیسا ہونا چاہئے مجھے؟" آنکھیں شکوہ کناں تھیں۔ شہریار نظریں چرا گیا۔
"سوری یار دراصل ڈیڈی کی وجہ سے تم سے کانٹیکٹ نہیں کر سکا اور دراصل مما ناراض ہو رہی تھیں کہ میرے سسرال میں سے کوئی بھی ڈیڈی کی عیادت کو نہیں آیا۔"
"علی بھائی گئے تھے مگر....." وہ لب کاٹنے لگی۔ آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔
"مگر کیا؟" شہریار کے پوچھنے پر اس نے سب کچھ اس کے گوش گزار کر دیا۔ وہ بھی شرمندہ سا ہوگیا۔
"آئی ایم رئیلی سوری۔ مما کے رویے سے تم یقیناً ہرٹ ہوئی ہو۔" اس نے شزا کا ہاتھ تھام لیا مگر وہ روئی رہی۔
"ڈونٹ بی کلی جان۔ میں ہوں ناں تمہارا اپنا۔ پھر کس بات کی فکر کرتی ہو۔"
"آپ نہایت ہی فضول شخص ہیں۔" ازلی رویہ لوٹ

"عنایت' نوازش۔" ڈھٹائی کی انتہا تھی۔ "سنو! میں اگلے ہفتے کینیڈا جا رہا ہوں۔"
"کیا؟" وہ چونکی۔
"میں جلد لوٹ آؤں گا۔ تم میرا انتظار کرنا۔ اپنا خیال رکھنا اور دیکھو میں تمہیں خط لکھوں گا' باقاعدگی سے ان کا جواب دینا۔ اچھا' ایک اور چیز' اجازت ہے۔" شہریار نے ڈیش بورڈ پر سے ایک ڈبہ اٹھایا۔ نازک سی گولڈ کی چین تھی' جس میں "S" کا لاکٹ جھلملا رہا تھا۔
"یہ..... کس لیے؟"
"میرے پیار کی نشانی۔" شہریار نے آگے بڑھ کر وہ نازک سی چین اس کی شفاف صراحی دار گردن میں پہنائی۔ پھر اس کی طرف جھکا۔ وہ بدک کر پیچھے ہٹی۔
"کوئی نشانی تو میرے پاس بھی ہو یار۔ ویسے بھی پکا پکا حق ہے میرا۔" وہ شرارت سے بولا اور استحقاق بھرے انداز میں اپنے خلوص کی نشانی ثبت کی۔ اس کے روم روم سے پسینہ پھوٹ پڑا تھا.....
"شہریار کو گئے ہوئے دو ماہ ہوگئے تھے۔ خط و کتابت کا سلسلہ جاری تھا۔ پھر رفتہ رفتہ اس کے خط آنا کم ہوتے چلے گئے۔ وہ ہر وقت اسی کی یادوں میں کھوئی رہتی۔
"شزا' شزا! کہاں ہو بھئی؟" علی اسے پکارتا ہوا اندر آیا۔ اس کی سوچیں منتشر ہوگئیں۔
"علی بھائی' آپ! اتنے دنوں بعد کیسے یاد آ گئی میری؟"
"کوئی بکواس نہیں۔ میں تم کو کبھی بھول ہی نہیں سکتا۔ ایک خوش خبری ہے تمہارے لیے۔"
"وہ کیا؟" وہ پُرجوش ہوگئی۔ لاشعوری طور پر وہ شہریار کی آمد کی خبر کی توقع کر رہی تھی۔
"آں..... بوجھو تو جانیں۔"
"اچھا' بتائیں ناں۔"
"تو دل تھام کر سنو۔ مابدولت سی ایس ایس میں پاس ہوگئے ہیں۔"
"رئیلی۔ او تھینکس گاڈ' بہت مبارک ہو۔" وہ اس

کے گلے لگ گئی‘ پھر خود ہی رونے لگی۔

”ارے ارے۔ اس خوشی کے موقع پر یہ آنسو؟“

”یہ تو خوشی کے آنسو ہیں۔“ وہ مسکرائی۔

”اچھا‘ چلو جھٹ پٹ تیار ہو جاؤ۔“

”کہاں جانا ہے؟“

”پہلے گھر چلیں گے۔ وہاں سے سب لوگوں کو ساتھ لیں گے اور پھر سب آئس کریم کھانے چلیں گے۔“

”زبردست۔ میں بس ابھی آئی۔“ وہ خوشی سے اٹھی۔ علی اسے دیکھ کر رہ گیا۔ کافی دنوں بعد وہ اتنی خوش نظر آئی تھی۔

کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ خوشی اور غم کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ابھی دو دن پہلے تک وہ علی کی کامیابی پر بے حد خوش تھی اور اب...... وہ کئی بار اس خط کو پڑھ چکی تھی اس امید پر کہ شاید...... شاید اس نے غلط پڑھا ہو...... شاید وہ خط غلط پتے پر آ گیا ہو یا...... یا شاید بھیجنے والا کوئی اور ہو۔ مگر ایسا کچھ نہیں تھا۔ واضح طور پر شہریار وقاص کی طرف سے طلاق دی گئی تھی۔ طلاق نامہ ساتھ ہی تھا۔

”شہزا! زیادہ نہیں صرف اتنا ہی کہوں گا کہ سوسائٹی میں موو کرنے کے لیے اسٹینس کا خیال کرنا پڑتا ہے۔ تم سے مجھے محبت نہیں‘ محض وقتی لگاؤ تھا۔ وہ شاید میرا جذباتی پن تھا۔ تھینک گاڈ مجھے جلد ہی عقل آ گئی۔ شہریار۔“

”نہیں۔“ وہ ہذیانی انداز میں چلائی۔ گلے میں پڑی چین اس زور سے کھینچی کہ وہ ٹوٹ کر بکھر گئی۔ اتنا بڑا دھوکہ‘ اتنا بڑا فریب۔ میں نے کیا بگاڑا تھا تمہارا کہ تم نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا۔ اس کی حالت بالکل اس بھٹکے ہوئے مسافر کی سی تھی‘ جسے قافلے والے منزل پر پہنچانے کی نوید سنا کر راستے میں ہی چھوڑ جائیں۔ وہ بری طرح ٹوٹ گئی تھی۔ کچی عمر میں آنکھوں میں جو سپنا سجایا گیا تھا‘ اس کے رنگ بری طرح مٹا دیئے گئے تھے۔ یوں جیسے کسی درندے نے آنکھیں نوچ ڈالی ہوں اور وہ ٹوٹا بکھرا ہوا سپنا وقت کی گرد میں اٹا ایک کونے میں پڑا سسک رہا ہو۔

شہزا کو طلاق ہو گئی۔ اس صدمے سے ہی دادی بستر سے جا لگی تھیں۔

”میں تیری مجرم ہوں شہزا! مجھے معاف کر دینا۔“ ہر دم ان کی زبان پر یہی جملہ رہتا۔

”دادی! ایسا مت کہا کریں۔“ وہ بڑی مشکل سے آنسو ضبط کرتی۔ علی تسلی دیتا‘ عائشہ ہر دم دادی کی خدمت میں لگی رہتیں۔

”علی! بیٹا مجھے لگتا ہے میرا وقت آ گیا ہے۔ تو وعدہ کر شہزا کا خیال رکھے گا۔“

”نانی! خدا آپ کو سلامت رکھے ایسا مت کہیں۔“

”عائشہ! میری آخری خواہش مان لے۔“

”جی اماں!“ عائشہ کی آواز رندھ گئی۔

”علی...... اور شش...... شہزا کی شا...... دی......“

”نانی! پلیز‘ یہ کیا کہہ رہی ہیں؟“ علی تڑپ اٹھا۔

”عائشہ! تجھے مرتی ہوئی ماں کی التجا ماننا ہو گی۔ روزِ حشر تم دونوں میرے جواب دہ ہو گے۔ عائشہ‘ شہزا اب علی کی...... دُ...... دُلہن......“ باقی کے الفاظ کہیں رہ گئے تھے۔

دادی کے سوئم کے بعد ہی پھوپو اسے اپنے ساتھ گھر لے آئیں۔ شہریار کی بے وفائی‘ دادی کی موت کا غم۔ وہ اندر ہی اندر گھلنے لگی تھی۔ علی کم سے کم اس کے سامنے جاتا تھا۔ شہزا دادی کی وصیت سے لاعلم تھی۔

”پھوپو۔ علی بھائی اب مجھ سے بات کیوں نہیں کرتے۔ پہلے تو وہ ایسے نہیں تھے۔ مجھے دیکھتے ہی منہ پھیر لیتے ہیں۔“

”نہیں بیٹا۔ ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ بس پریشان ہے دراصل۔“ پھوپو بات بنا گئیں۔ دادی کو گزرے تین ماہ ہو گئے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ نارمل ہو رہی تھی مگر علی کا رویہ سمجھ سے بالاتر تھا۔ وہ ابھی ابھی باہر سے لوٹا تھا جب شہزا دستک دے کر اندر آ گئی۔

”شہزا! تم اس وقت۔“ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

”یہ دودھ لائی تھی آپ کے لیے۔“

"رکھ دو۔"

"آپ آج کل کچھ پریشان نظر آتے ہیں۔"

"ہاں...... نہیں تو۔"

"اب اپنی بہن سے بھی چھپائیں گے۔" وہ دو زانو بیٹھ گئی اور ہاتھ اس کے گھٹنے پر رکھا۔ علی نے ایک دم ٹانگ پیچھے کی۔

"اٹھو۔ یہاں مت بیٹھو۔"

"نہیں۔ یہیں ٹھیک ہے۔" مجھے پتا ہے آپ بہت پریشان ہیں۔ کسی کو کچھ نہیں بتاتے' مگر میں آپ کو پریشان نہیں دیکھ سکتی۔ آپ مجھے بتائیں' کیا بات ہے؟"

"شزا! پلیز۔ تم جاؤ یہاں سے۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"نہیں' پہلے مجھے بتائیں کہ پرابلم کیا ہے۔" وہ بضد تھی۔

"فار گاڈ سیک شزا ضد مت کرو۔ جاؤ یہاں سے۔" وہ دانت پر دانت جما کر بولا۔ ہاتھوں کو مضبوطی سے بند کیے وہ ضبط کی آخری حدوں پر تھا' اس کی کیفیت عجیب سی ہو رہی تھی۔ وہ خود بھی یکسر لاعلم تھا' اپنی اس پل پل بدلتی کیفیت سے۔ بے بسی سی بے بسی تھی۔ وہ لب بھینچ کر رہ گیا۔

"میں نہیں جاؤں گی آپ......"

"کیوں نہیں جاؤ گی تم' ہاں۔ بولو۔" وہ یکلخت پلٹا تھا۔ اس کا انداز وحشت لیے ہوئے تھا' آنکھیں لہو رنگ ہو رہی تھیں۔ اس کا لہجہ اتنا سخت تھا کہ ایک لمحے کو یوں لگا جیسے فضا تھم سی گئی ہو۔ شزا نے سہم کر اس کی طرف دیکھا۔

"علی بھائی! آپ۔" الفاظ بے ربط ہونے لگے تھے۔

"جاننا چاہتی ہو تو سنو۔ نانی کی وصیت کے مطابق تمہاری شادی مجھ سے ہوگی۔" وہ غرایا۔

"ن...... نہیں۔" وہ کرنٹ کھا کر پیچھے کو ہٹی تھی۔ صدمہ اتنا شدید تھا کہ الفاظ کہیں گم ہو کر رہ گئے۔ کمرے کی چھت گھومتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"بس' جان لیا میرا مسئلہ۔ بہت شوق تھا نا تمہیں میری پریشانی شیئر کرنے کا۔ اب تو ساری زندگی شیئر کرنا پڑے گا۔" وہ زہر خند ہو رہا تھا۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھے اپنی سسکیوں کو دبانے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ واپس پلٹ گئی تھی۔ وہ اس طرح بکھر گئی تھی' جیسے گلاب کی پتیاں تیز ہوا کے زور سے بکھر جاتی ہیں۔ آنسو تھے کہ رکنے کا نام نہیں لیتے تھے۔ اس بُری طرح اس کا اعتبار ٹوٹا تھا کہ موت پر سے بھی اعتبار اٹھ گیا تھا۔

پھوپو سے اس بات کی تصدیق چاہی تو وہ نظریں چرانے لگیں۔

"پھوپو! آخر آپ لوگ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟"

"بیٹا! وہ تمہارا سگا بھائی تو نہیں ہے۔"

"اگر ایسا ہی تھا تو پھر شروع سے ہی اس تفریق کے بارے میں باور کیوں نہ کرایا گیا۔ سگے اور منہ بولے کا فرق کیوں نہ واضح کیا گیا؟"

"یہ تمہاری دادی کی وصیت ہے۔ روزِ محشر میں اُن کو کیا منہ دکھاؤں گی۔" پھوپو بھی رونے لگی تھیں۔

"میں مر جاؤں گی پھوپو' مر جاؤں گی۔" وہ سسک اٹھی تھی۔

"مان لو بیٹا۔ کبھی کبھی اولاد کو بھی قربانیاں دینا پڑتی ہیں۔"

"اور علی بھائی......؟ کیا وہ مان گئے؟" ایک موہوم سی امید کے تحت اس نے پوچھا۔ پھوپو خاموش رہیں تو اس کے دل پر ایک بھاری بوجھ آن پڑا۔ خاموشی میں واضح اقرار پنہاں تھا۔

چند روز اسی خاموشی میں سرک گئے۔ وہ اپنے کمرے میں مقید ہو کر رہ گئی تھی۔ پھوپو کو مسلسل ٹینشن نے آ جکڑا۔ وہ سب کچھ بھول کر ان کی تیمارداری میں لگ گئی۔ علی بھی دن رات اُن کی پٹی سے لگا رہتا۔ دونوں ایک دوسرے سے نظریں چرانے لگے تھے۔ شزا کا دل اس کی طرف سے بُری طرح بدگمان ہوا تھا۔ افسوس یہ کہ وہ کتنی آسانی سے مان گیا تھا یہ سب۔

"پھوپو! جلدی سے ٹھیک ہو جائیں۔"

"تمہاری بلا سے۔ میں مروں یا جیوں۔ اچھا ہی ہے ہاں کہ مر جاؤں۔"

"اللہ نہ کرے۔ کیسی باتیں کرتی ہیں آپ۔ میں آپ کو نہیں کھونا چاہتی، مجھے اکیلا مت کریں پھوپو۔" وہ بُری طرح رو دی۔ والدین، دادی کے بعد اب وہ پھوپو کو نہیں کھونا چاہتی تھی۔ "ٹھیک ہے پھوپو، آپ جو کہیں گی میں کروں گی مگر پہلے آپ وعدہ کریں، مجھے چھوڑ کر کہیں نہیں جائیں گی۔" آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔ پھوپو کا دل پسیج گیا۔

"یہی وعدہ میں تم سے بھی لینا چاہتی ہوں۔" بڑھ کر گلے سے لگا لیا۔

♥♥♥

پھوپو بھلی چنگی ہو گئی تھیں اور اپنے تئیں وہ شادی کی تیاریوں میں مصروف تھیں۔ شنزا نے بے حد مجبور ہو کر شادی کی حامی بھری تھی۔ اس میں اب اتنا حوصلہ نہ تھا کہ وہ پھوپو کو بھی کھو دیتی۔ لکی آپا (علی کی بڑی بہن۔ نام کہکشاں تھا مگر لکی پڑ گیا تھا) اسے ہر وقت سمجھاتی رہتیں اور بالآخر وہ مان گئی۔ اس بات سے یکسر لاعلم کہ علی کتنے دباؤ میں تھا۔ وہ علی کو ہی قصوروار سمجھ رہی تھی۔

عروسی لباس میں وہ بے حد حسین لگ رہی تھی مگر اسے اپنے آپ سے وحشت ہو رہی تھی۔ اپنے لباس سے شعلے سے اٹھتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ مختلف رسموں سے فراغت کے بعد اُسے حجلہ عروسی میں پہنچا دیا گیا تھا۔ علی تھکے تھکے قدموں سے اندر آیا، وہ سامنے ہی بیٹھی تھی، ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے ایک لمحے کو اس کا یہ روپ دیکھ کر وہ دنگ رہ گیا۔ احساسات بدلے تو انداز نظر بھی بدل گیا۔

وہ زیورات اُتارنے میں مصروف تھی۔ شاید وہ رو رہی تھی۔ آنسوؤں سے لبریز آنکھیں اس کے حسن کی سوگواریت میں اضافہ کر رہی تھیں۔ علی نے بے اختیار نظریں چرائی تھیں، کپڑے چینج کرنے کی غرض سے وہ ڈریسنگ روم میں چلا گیا۔ واپس آیا تو وہ لائٹ پرپل سادہ سے کاٹن کے سوٹ میں ملبوس تھی۔ وہ ایک لمحے کو رکا پھر دو قدم آگے بڑھا۔ شنزا شدید اضطراب کے عالم میں ناخن دانتوں سے کتر رہی تھی۔

"مجھے نہیں پتا کہ جو کچھ ہوا وہ ٹھیک ہے یا غلط۔ شاید کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں۔ شاید تقدیر اسی کو کہتے ہیں۔" وہ ذرا کی ذرا رکا تھا۔ "اس حقیقت کو قبول کرنا میرے لیے بھی اتنا ہی مشکل ہے جتنا تمہارے لیے۔ ذہن پر بوجھ مت ڈالو۔ تم یقیناً تھک گئی ہو گی اس لیے ریسٹ کرو۔" وہ تکیہ اٹھا کر صوفے پر دراز ہو گیا۔ کمرہ نائٹ بلب کی دھیمی روشنی میں ڈوبا ہوا تھا۔ جامد خاموشی تھی، جس میں گھڑی کی سوئیوں کی ٹک ٹک کی آواز نمایاں تھی۔ اس وقت کمرے میں دو نفوس تھے جیتے جاگتے نفوس مگر وہ وہاں ہوتے ہوئے بھی وہاں نہیں تھے۔ دونوں کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔

گھر میں مہمانوں کا میلہ سا لگا تھا آخر کیوں نہ ہوتا۔ عائشہ پھوپو کے اکلوتے بیٹے کی شادی تھی۔ شادی کے بعد بھی ہفتہ بھر تک مہمانوں نے ڈیرہ جمائے رکھا۔ شنزا کو بڑی اُلجھن ہوتی تھی۔ روزانہ سج سنور کر شوپیس کی طرح مہمانوں میں گھرے رہنا اسے بالکل اچھا نہیں لگتا تھا۔ علی خود تو بہانہ بنا کر باہر نکل جاتا تھا۔ علی کی کزنز اُسے علی کے حوالے سے چھیڑتیں تو وہ بُری طرح بے زار ہو اُٹھتی اور لکی آپا، اُن کا تو بھابی، بھابی کہتے منہ نہ سوکھتا تھا۔ وہ اکتانے لگی تھی۔

"کیا بات ہے بھابی۔ اتنی بے زار بے زار کیوں ہیں؟" کسی کزن نے اس کی بے زاری نوٹ کرتے ہی پوچھ ڈالا۔

"نہیں تو...... بس وہ ذرا تھکاوٹ سی ہو رہی تھی۔"

"ظاہر ہے رت جگوں سے تھکاوٹ تو ہوتی ہے۔" کسی بے باک کزن نے کہا تو قہقہہ پڑا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی سرخ ہو گئی۔ اسی وقت علی نے اندر قدم رکھا تو سب کزنز نے اُسے گھیر لیا۔

"ارے بھئی آپ تو شادی کرتے ہی عید کا چاند ہو گئے۔"

''چاند تو ہم ہیں' اس میں کوئی شک ہے۔''اس کا موڈ خوش گوار تھا' اس لیے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

''اوہو' خوش فہمیاں...... ویسے آپ ادھر چاند کے پہلو میں بیٹھ جایئے' شاید کچھ افاقہ ہو جائے۔''علی کو شزا کے برابر بٹھا دیا گیا۔ خوش گپیاں ہو رہی تھیں' چھیڑ چھاڑ عروج پر تھی۔ علی کا موڈ خاصا بہتر تھا۔ اس کے قہقہے شزا کا تن من سلگانے لگے تھے۔ وہ بالکل غائب دماغی کے عالم میں بیٹھی تھی۔ بیٹھے بیٹھے علی نے کزنز کے کہنے پر شزا کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنے بازو کے حلقے میں لے لیا۔ شاید کوئی تصویر بنا رہا تھا۔ شزا کی حالت عجیب سی ہونے لگی تھی۔ اسے لگا اس کا دم گھٹ جائے گا۔ یہ نہیں تھا کہ ایسا پہلی بار ہوا تھا مگر رشتہ بدل جانے سے احساسات بھی بدل گئے تھے۔ شزا نے علی کا ہاتھ جھٹک دیا اور بنا کچھ کہے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

''ارے! اسے کیا ہوا؟'' سبھی حیران تھے۔

''شاید اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میں دیکھتا ہوں۔''علی اس کے پیچھے پیچھے چلا آیا۔ وہ بیڈ پر بیٹھی سر گھٹنوں میں دیئے سسک رہی تھی۔ آہٹ پر وہ چونک اٹھی تھی۔

''شزا! کیا ہوا ہے؟''علی اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''بات سنو میری۔''علی نے بازو سے پکڑ کر اس کا رخ اپنی طرف کیا۔ ایک لمحے کو وہ گنگ کھڑا اس کے پھولوں سے حسین' کلیوں سے نوخیز و دلکش گلابیوں میں رچے مہکے مدہوش کن روئے روئے مکھڑے کو تکتا رہ گیا۔ وہ پچھلے ایک ہفتے سے نفس کے بے لگام گھوڑے کی باگیں مضبوطی سے قابو کیے ہوئے تھا مگر کب تک...... چیز اپنی ہو دسترس میں ہو اختیار ہو تو خود پر قابو پانا مشکل ہو جاتا ہے۔

''تم...... تم سو جاؤ جا کر۔'' وہ ایک دم اسے چھوڑ کر پلٹ گیا تھا۔ وہ صوفے پر جا کر بیٹھ گئی تھی۔ ''سنو' زیادہ نہیں مگر تھوڑا بہت تو اعتبار کرنا ہوگا نا تمہیں مجھ پر۔''

''جی؟''

''اگر تم مجھے قابل اعتبار سمجھتی ہو تو میرا خیال ہے ساری رات بے آرام ہو کر صوفے پر سونا ترک کر دو۔''

جانے کیوں وہ یہ کہہ گیا حالانکہ جانتا تھا کہ یہ آگ اور پیٹرول کا کھیل ہے مگر وہ شاید اسے بے آرام نہیں دیکھ سکتا تھا۔ دھیان میں کہیں اس کے آرام کا احساس تھا۔ وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر سکون سے صوفے پر دراز ہو گئی۔ گویا وہ اسے بے اعتبار ثابت کر گئی۔ علی تاسف سے سر ہلا کر رہ گیا۔

♥♥♥

علی کی کال آ گئی تھی۔ اسے اے ایس پی کی پوسٹ ملی تھی۔ عائشہ کے تو مارے خوشی کے پیر ہی زمین پر نہ ٹکتے تھے۔ پورے محلے میں مٹھائی تقسیم کی گئی۔

''جب میں اے ایس پی بن جاؤں گا تو سب سے پہلے اپنی اس گڑیا سی بہن کو مٹھائی کھلاؤں گا۔''علی کی کہی گئی بات شزا کو یاد آئی تو دل بے اختیار بھر آیا۔ سارا دن کمرے میں بند رہی۔ گھر میں آنے جانے والوں کا تانتا بندھا تھا۔ وہ بستر پر نیم دراز تھی اور خلاؤں میں گھور رہی تھی' جب دروازہ کھلنے کے ساتھ ہی علی اندر داخل ہوا تھا۔ خوشی اس کے انگ انگ سے ہویدا تھی۔ پھولوں کے بے شمار ہار اس کے گلے میں تھے۔ ہاتھوں میں بوکے تھام رکھے تھے۔ شزا نے کچھ بے زاری ہو کر پہلو بدلا۔

''سب خواتین تمہارا پوچھ رہی ہیں۔'' علی نے ہار وغیرہ اتارتے ہوئے کہا۔

''کیوں؟'' تیکھے چتون سے اسے دیکھا۔

''ٹھیک ہے یہ رشتہ...... آئی مین تمہارا اور میرا تعلق محض کاغذی ہے مگر بہر حال اس گھر کی بہو ہونے کا رشتہ تو ہے ناں۔'' اس کا انداز کچھ جتانے والا تھا۔ شزا کے حلق تک کڑواہٹ گھل گئی۔

''میں پھوپو کو بتا چکی ہوں کہ میرے سر میں درد ہے۔'' اس کی بے زاری نوٹ کر کے وہ خاموش ہو رہا۔

''پلیز...... اگر زحمت نہ ہو تو' میں کچھ دیر سونا چاہتا ہوں۔'' اس کے لہجے میں خود بخود بے گانگی در آئی۔ وہ بیڈ

کے دو بج رہے تھے۔ وہ دوپہر میں سونے کا عادی تھا۔ ویسے بھی صبح سے مہمانوں میں لگا ہوا تھا۔ تھکن بھی ہو رہی تھی' شزا چپ چاپ اٹھ کھڑی ہوئی۔ علی کا موڈ بُری طرح خراب ہوا تھا۔ ایک ماہ ہونے کو آیا تھا مگر شزا کے اطوار وہی اول روز کی طرح تھے۔ وہ سراسر علی کو قصوروار سمجھتی تھی۔ علی اب اکتانے لگا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ ٹھیک ہے قسمت میں یوں ہی لکھا تھا' جو ہونا تھا ہو گیا' تقدیر کو کیا دوش دینا۔ مگر شزا گویا پتھر ہو چکی تھی۔

علی کی جاب کی خوشی میں اس کے دوستوں نے دعوت دی تھی۔ شزا بادل نخواستہ جانے کو تیار ہوئی تھی۔ بلیک نیٹ آرگنزہ کے جدید تراش خراش کے لباس میں وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔ پارٹی کے دوران وہ خاموش خاموش سی رہی۔ اس کے دوستوں کی بیگمات خاصی باتونی تھیں۔

بھابی! آپ بہت کم بولتی ہیں۔ لگتا ہے علی بھائی کا اثر بڑی جلدی قبول کر لیا ہے۔" سامعہ بھابی نے کہا تو وہ محض پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔ علی اپنی کم گوئی کی وجہ سے خاصا مقبول تھا دوستوں کے حلقوں میں۔

"ویسے علی! یو آر لکی یار کہ کم بولنے والی بیوی ملی ہے۔ ہمیں دیکھو کہ....." خرم کی شرارت پر سامعہ بھابی چیخ اٹھیں۔

"کیا کیا' کیا دیکھو خرم! آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

"میں تو تعریف کر رہا تھا۔"

"جی۔ اچھی طرح جانتی ہوں آپ کی تعریف کو۔"

انہی خوش گپیوں اور چھیڑ چھاڑ میں وقت گزرنے کا پتہ ہی نہ چلا۔ رات ایک بجے کے قریب وہ لوگ گھر لوٹے۔ علی کا موڈ خاصا خوشگوار تھا۔ شزا ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی زیور وغیرہ اتار رہی تھی۔ علی بیڈ پر نیم دراز سیٹی کی دھن پر کوئی گانا گنگنا رہا تھا۔ نظریں بار بار بھٹک کر شزا کے دلکش سراپے پر ٹھہر جاتیں۔ پھر جانے کیا ہوا وہ اٹھ کر شزا کے پیچھے جا کھڑا ہوا اور اسے شانوں سے تھام کے

"تم آخر مان کیوں نہیں جاتیں؟" اس کے لہجے میں ارمانوں کی مہک اور آرزوؤں کی کھنک تھی۔

"پلیز....." وہ گھبرا کر پیچھے ہٹنا چاہتی تھی مگر گرفت مضبوط تھی۔ علی کی آنکھوں میں عجب سا خمار اتر کر بولنے لگا تھا۔

"جب انسان خود پر سے اختیار کھونے لگتا ہے تو وہ مجبوری کا سہارا لیتا ہے اور میں..... میں مجبور ہونا چاہتا ہوں۔" وہ مدہوش سا اس پر جھکا تھا۔ اس کی گرم سانسوں کی تپش شزا کا چہرہ جھلسا رہی تھی۔

"فار گاڈ سیک' لیو می۔" وہ چلائی تھی اور خود کو ایک جھٹکے سے اس کی گرفت سے آزاد کروایا تھا۔ علی کی عزتِ نفس پر اس کا یہ ردعمل تازیانے کی طرح لگا تھا۔

"خدا کے لیے مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔ مجھے گھن آتی ہے آپ کے وجود سے۔ وحشت ہونے لگتی ہے جب آپ میرے قریب آنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ کی یہ ہوس....."

"شٹ اپ' شٹ اپ۔" وہ اس کی بات مکمل ہونے سے قبل ہی چلایا تھا۔ اس کے یہ الفاظ کوڑے کی طرح لگے تھے علی کو۔ "تم مجھے اس قدر گرا ہوا سمجھتی ہو۔ میں کوئی لٹیرا ہوں نہ ہی کوئی گلی کا عاشق۔ شوہر ہوں میں تمہارا۔ یہ میرا جائز حق ہے' جسے تم ہوس کا نام دے رہی ہو۔"

"میں آپ کو شوہر نہیں مانتی۔ دل کا کھوٹا شخص میرا شوہر نہیں ہو سکتا۔"

"کیا بکواس ہے؟" وہ غرایا۔ آنکھیں شدتِ ضبط سے لہو رنگ ہو رہی تھیں۔

"بکواس نہیں حقیقت ہے۔ وہ تو میں ہی پاگل تھی جو منہ بولے بھائی کو سگا بھائی سمجھ بیٹھی۔ آپ کی نیت میں شروع سے ہی کھوٹ تھا۔" وہ بولنے پر آئی تو بولتی چلی گئی۔

"شزا! گیٹ لاسٹ۔ دفعہ ہو جاؤ یہاں سے۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ کر بیٹھوں' دور ہو جاؤ میری نظروں سے۔" وہ بُری طرح زچ ہو کر چلایا تھا۔ شزا روتے

ہوئے باہر بھاگ گئی۔ وہ ضبط کی آخری حدوں پر تھا۔ جی چاہ رہا تھا ہر چیز توڑ پھوڑ کر رکھ دے۔ اس بُری طرح اس کے احساسات مجروح ہوئے تھے کہ اپنے وجود سے بھی نفرت ہونے لگی تھی۔

دوسرے ہی دن وہ رحیم یار خان چلا گیا۔ اس کی پوسٹنگ ہوگئی تھی۔ علی کے جانے کے بعد گھر میں گویا بالکل خاموشی چھا گئی تھی۔ زندگی بہت بور ہوگئی تھی۔ علی کو گئے ہوئے مہینہ ہونے والا تھا۔ وہ ہر ہفتے فون کرتا تھا مگر صرف پھوپو سے بات کر کے بند کر دیتا۔ نہ وہ شزا کا ذکر کرتا اور نہ شزا علی سے بات کرنا پسند کرتی۔ پھوپو ان کی وجہ سے پریشان رہتیں۔

اس روز خاصی سردی تھی۔ وہ پھوپو کو دودھ اور دوا وغیرہ دے کر سرِشام ہی سوگئی۔ رات کے کسی پہر اس کی آنکھ زور زور سے دروازہ بجنے اور بیل کی آواز پر کھلی۔ ٹائم دیکھا تو گیارہ بج رہے تھے۔

"یا اللہ! اس وقت کون ہوسکتا ہے؟" وہ ڈرتے ڈرتے اٹھی۔ پھوپو کو اٹھانا چاہا مگر وہ دواؤں کی زیرِ اثر گہری نیند میں تھیں۔ وہ دل ہی دل میں درود شریف کا ورد کرتے ہوئے باہر آئی۔

"کک..... کون؟" لرزتی کانپتی آواز میں پوچھا۔

"میں ہوں، علی۔"

"اوہ....." علی کی آواز پر اس کی رکی ہوئی سانسیں بحال ہوئیں۔ اس نے دروازہ کھول دیا۔

"آپ۔ اتنی رات گئے.....؟"

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔" وہ شرمندہ سی ہوگئی۔

"امی سو رہی ہیں؟" وہ آگے بڑھ گیا تھا۔

"جی۔" شزا اس کی تقلید میں کمرے تک آئی۔ "کھانا کائیں گے آپ؟" وہ جانے کیوں پوچھ گئی۔ علی نے کچھ اس انداز سے اسے دیکھا کہ وہ شرمندہ ہوگئی۔

"میں کھا چکا ہوں۔" وہ جوتے اتار کر ایک طرف رکھنے لگا۔ دونوں طرف مکمل خاموشی تھی۔ علی اٹھ کر کپڑے چینج کرنے چلا گیا۔

"کمرے میں کافی ٹھنڈ ہے، ہیٹر آن کر دیا ہوتا۔" تولیے سے منہ ہاتھ پونچھتے ہوئے وہ باہر آیا۔

"پھوپو کی طبیعت خراب ہے ناں، اسی لیے ہیٹر ان کے کمرے میں رکھ دیا تھا میں نے۔"

"اوہ، اچھا۔ کیا ہوا امی کو؟"

"بس وہی جوڑوں کا درد۔ پچھلے دنوں موسم کی تبدیلی کی وجہ سی فلو اور بخار ہوگیا تھا۔"

"ڈاکٹر کو دکھایا؟"

"بس ایک بار۔ وہ بھی ڈاکٹر کو ساتھ والی خالہ کا بیٹا لے کر آیا تھا۔"

"تو تم چچا کے ہاں چلی جاتیں اگر کوئی پریشانی کی بات تھی۔ قریب ہی تو ہے ان کا گھر۔"

"بس..... میں نے مناسب نہیں سمجھا۔" دونوں بنا کسی تلخی کے باتیں کر رہے تھے۔

"میں بہت تھک چکا ہوں، پلیز یہ لائٹ آف کر دو۔" وہ کمبل اوڑھتے ہوئے بولا۔ شزا لائٹ آف کر کے باہر نکل آئی۔ غضب کی ٹھنڈ پڑ رہی تھی۔ وہ پھوپو کے کمرے میں چلی آئی اور غیر محسوس سے انداز میں ان کے پہلو میں لیٹ گئی۔ "کاش! میرے بس میں ہوتا کہ میں تقدیر کا رخ موڑ سکتی۔" ایک سرد آہ لبوں کی قید سے آزاد ہوئی اور فقط دو آنسو پلکوں کے بند توڑ کر بہہ نکلے۔

صبح اذان کی آواز پر پھوپو کی آنکھ کھلی تو اسے اپنے پہلو میں سوتا پا کر وہ کچھ پریشان سی ہوگئیں۔ اس سے پہلے کہ وہ اسے جگاتیں، علی اندر داخل ہوا۔

"السلام علیکم امی!" وہ شاید نماز پڑھ کر آ رہا تھا۔

"وعلیکم السلام۔ تم کب آئے بیٹا؟" پھوپو نہال ہوگئیں اور اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

"رات کو آیا تھا۔" وہ ایک اچٹتی سی نظر سوئی ہوئی شزا پر ڈالتے ہوئے بولا۔ پھوپو کی شزا کی یہاں موجودگی کا سبب اب سمجھ میں آیا تھا۔ نماز پڑھنے کے بعد دونوں ماں بیٹا کافی دیر بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ پھر علی اٹھ کر

جاگنگ کرنے چلا گیا۔ اتنے میں شزا بھی جاگ گئی۔ وہ کچن میں کھڑی ناشتہ تیار کر رہی تھی جب علی آ گیا۔ پھوپو اس کے لیے پہلے ہی تازہ سنگتروں کا جوس نکال چکی تھیں۔ شزا نے چپ چاپ جوس سے بھرا جگ اور گلاس اس کے سامنے رکھ دیا۔ علی نے کچھ چونک کر اسے دیکھا۔

"تھینکس۔ ناحق زحمت کی آپ نے۔" وہ کندھے اچکا کر جوس گلاس میں انڈیلنے لگا۔

"یہ پھوپو نے بنایا ہے۔" وہ جتا گئی کہ یہ زحمت اس نے نہیں کی' وہ بنا کوئی رسپونس دیئے دو گلاس جوس چڑھا کر پھوپو کے کمرے میں چلا آیا۔

"شزا! بیٹا ناشتہ یہیں لے آؤ۔" پھوپو نے آواز دی تو وہ ناشتے کی ٹرالی لے کر اُدھر ہی آ گئی۔

"پھوپو۔ دوپہر میں کیا پکانا ہے؟" ناشتے کے برتن سمیٹتے ہوئی وہ پوچھنے لگی۔

"علی سے پوچھ لو۔ کیوں علی' کیا بناؤں تمہارے لیے؟" پھوپو اسے کہنے کے بعد خود ہی علی سے پوچھنے لگیں۔

"امی! کچھ بھی پکا لیجئے گا۔ میں ضروری کام سے جا رہا ہوں۔ ہوسکتا ہی کھانا باہر ہی کھالوں۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

"بیٹا! دوپہر کے کھانے تک آنے کی کوشش کرنا۔ پہلے ہی میرے بچے کی صحت گر گئی ہے۔" پھوپو کا لہجہ ماماتا سے چور تھا۔ شزا نے غور سے علی کو دیکھا (مجھی تو کہیں سے بھی کمزور نہیں لگ رہے' خاصے ہٹے کٹے ہیں) وہ محض سوچ کر رہ گئی۔

علی دوسرے دن ہی چلا گیا۔ شزا نے نوٹ کیا تھا کہ علی کا رویہ خاصا روکھا تھا۔

"علی! اپنا تبادلہ یہیں کروالو ناں۔" جاتے سے پھوپو نے کہا۔

"امی! ابھی اتنی جلدی تو ممکن نہیں ہے۔ آپ ایسا کریں میرے پاس رہیں' مجھے خاصا بڑا گھر ملا ہے۔ نوکر چاکر' گاڑی' ڈرائیور بھی کچھ ہے۔"

"اس طرح ایک شہر سے دوسرے شہر میں شفٹ ہونا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ تم کچھ دن اور رک جاتے۔ تمہاری لگی آپا کو پرسوں آنا تھا۔"

"میں جاتے ہوئے ان سے مل لوں گا۔ اچھا امی' اپنا خیال رکھئے گا۔"

وہ چلا گیا۔ شزا کی طرف پلٹ کر بھی نہ دیکھا۔ علی کے جانے کے دو دن بعد ہی لگی آپا اپنے میاں اور چار عدد بچوں سمیت آ گئیں۔ آپا کے بچے سارا دن گھر سر پر اٹھائے رکھتے۔ شزا بے چاری گھن چکر بن کر رہ گئی تھی۔ پھوپو اور آپا سارا دن سر جوڑے جانے کون سی گتھیاں سلجھاتی رہتیں۔

"امی! علی اب کی بار آئے تو کان کھینچئے گا اس کے۔ نئی نویلی دلہن کو دوری کا عذاب دے رکھا ہے۔" وہ ابھی ابھی اندر آ کر بیٹھی ہی تھی کہ آپا شروع ہو گئیں۔

"تمہارے پاس گیا تو تھا۔ خود ہی کھینچ لیتیں اس کے کان۔" پھوپو مسکرائیں۔

"ہاں۔ بس دو گھڑی کو بیٹھا تھا۔ ٹھیک سے بات ہی نہیں ہوسکی۔ شزا! تم خود کیوں نہیں کہتیں اس کو۔" وہ بیک وقت دونوں سے مخاطب تھیں۔

"مم..... میں۔" وہ گڑبڑا گئی۔

"ارے۔ تم تو ایسی گھبرا رہی ہو جیسے میں نے کوئی غلط بات کہہ دی ہو۔ بیوی کو شوہر کے ساتھ رہنا چاہئے ورنہ یہ مرد تو تھالی کا بینگن ہوتے ہیں۔ ذرا آنکھ چوکی نہیں اور یہ لڑھکے نہیں۔ اب تم منصور کو دیکھ لو۔ مجال ہے جو ادھر اُدھر آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ لیں۔" لگی آپا کے کہنے پر وہ محض پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔

"میں ذرا سالن دیکھ لوں۔" وہ وہاں سے اٹھ گئی۔

"دیکھا۔ کیسی اجنبیت ہے دونوں میں۔ بیوی کو شوہر کی فکر ہے نہ شوہر کو بیوی کی پروا۔"

"ہوں۔" آپا نے پُرسوچ ہنکارا بھرا۔ "امی! آپ ایسا کیوں نہیں کرتیں کہ شزا کو علی کے پاس بھیج دیں۔ چند دن ساتھ رہیں گے تو ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقع ملے گا۔"

"دیکھو شاید۔" پھوپو ناامید سی تھیں۔ "تین ماہ ہوگئے ہیں شادی کو مگر یوں لگتا ہے جیسے تین سال گزر گئے ہوں۔ گھر میں آنے جانے والے بڑی حیرت سے دیکھتے ہیں شزا کو کہ نئی نویلی دلہن اور حلیہ اس قدر عام۔ سر جھاڑ منہ پہاڑ پھرتی ہے۔ لاکھ دفعہ سمجھایا ہے کہ بن سنور کر رہا کرو مگر وہ ہے کہ کان پر جوں ہی نہیں رینگتی۔"

"اللہ عقل دے دونوں کو۔ اور کیا کہہ سکتے ہیں۔" آپا چپ سی ہوگئیں۔

جب سے علی گیا تھا' گھر کا سودا سلف عائشہ ہی لاتی تھیں۔

مگر ان کی بیماری کی وجہ سے شزا نے یہ ذمہ داری سنبھال لی تھی۔ مہینے کا اینڈ تھا' راشن تقریباً ختم ہوچکا تھا اس لیے بہت سی خریداری کرنا تھی۔ اس نے ٹیکسی لی اور سب سے پہلے یوٹیلی اسٹور کا رخ کیا۔ انڈے' بریڈ' جام' مکھن' آٹا' دالیں' چاول' صابن' مسالے جات وغیرہ بہت سی چیزیں لینا تھیں۔ اسٹور سے فارغ ہونے کی بعد اس نے دو تین موسمی سبزیاں اور پھل خریدے۔ (ایسی زندگی کا خواب تو نہیں دیکھا تھا میں نے۔ پچانوے فیصد عورتوں کی طرح میں بھی ایک روایتی ہاؤس وائف بن کر رہ گئی ہوں) وہ سوچوں میں گم تھی' جب اپنا نام پکارے جانے پر چونکی۔

"شزا!" اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا۔ وہ بنا کوئی جواب دیئے ٹیکسی کی طرف بڑھ گئی۔

"شزا۔ میری بات سنو۔" وہ پیچھے دوڑا مگر ٹیکسی چل پڑی تھی۔ گھر پہنچ کر اس نے سارا سامان کچن میں رکھوایا۔ فریج سے پانی نکال کر ایک ہی سانس میں گلاس چڑھایا۔ بڑی مشکل سے پھولی ہوئی سانسیں بحال کرنے کی کوشش کی۔ (اس نے مجھے کیوں پکارا اب جبکہ وہ میرے ساتھ تعلق توڑ چکا ہے) یہ سوال اس کے ذہن میں پھانس کی طرح اٹک گیا تھا۔ سارا دن سوچوں میں ڈوبی رہی۔ (شاید مجھے دھوکہ ہوا ہے۔ مگر نہیں...... وہ شہریار ہی تھا۔ اس نے مجھے پکارا تھا۔) دل وسوسوں کی آماج گاہ بنا ہوا تھا۔ شام کی چائے بنا کر پھوپو کو دی۔ اسی لمحے ڈوربیل بج اٹھی۔ وہ سراسیمہ سی ہوگئی۔ اسے لگا کچھ ہونے والا ہے۔ کوئی انہونی ہونے کو ہے۔ ڈرتے ڈرتے دروازہ کھولا اور توقع کے مطابق وہ سامنے کھڑا تھا۔ شزا نے فوراً دروازہ بند کرنا چاہا مگر شہریار نے پاؤں دروازے میں اڑا دیا۔

"شزا! میں شہریار ہوں۔" شزا اندر بھاگ گئی۔ ذرا سا دوڑنے میں سانس پھول گیا تھا۔

"وہ......وہ پھوپو......وہ آگیا ہے۔"

"کیا ہوا۔ کون آگیا ہے؟" پھوپو گھبرا گئیں۔

"وہ......" دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ اتنے میں وہ اندر آگیا۔

"السلام علیکم آنٹی۔"

"تم؟"

"آپ لوگ مجھے دیکھ کر اس قدر حیران کیوں ہورہے ہیں؟"

"یہاں کیا کرنے آئے ہو؟" پھوپو نے اس کا سوال نظر انداز کردیا۔

"ظاہر ہے آپ لوگوں سے ملنے۔ میں تو شزا کے گھر بھی گیا تھا مگر وہاں تالا لگا تھا۔ اسی لیے یہاں چلا آیا۔ آج صبح شزا نے مجھے بازار میں دیکھا اور میرے پکارنے پر بنا کوئی جواب دیئے چلی گئی۔" وہ حیرانی ظاہر کررہا تھا۔

پھوپو نے شزا کو بھیج دیا۔

"تم اب یہاں کیا لینے آئے ہو؟"

"کیا مطلب آنٹی۔ شزا میری......"

"کچھ نہیں لگتے تم شزا کے۔" عائشہ نے اس کی بات کاٹی۔ "خود ہی سب تعلق توڑ کے اب کیا لینے آئے ہو۔ کس بات کا حق جمارہے ہو؟"

"آنٹی پلیز کھل کر بتائیں۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔"

"کیوں۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ طلاق کے بعد سب تعلق ٹوٹ جاتے ہیں۔"

"طلاق؟ کیسی طلاق؟" "کس کی طلاق؟"

"انجان مت بنو۔"

"مجھے کچھ معلوم نہیں ہے۔ یقین کریں آنٹی۔"

"تو کیا تم نے شزا کو طلاق نہیں بھجوائی تھی۔ ایک سال پہلے تم نے ہی تو وہ کاغذ بھیجا تھا جو میری ماں کی موت کا پروانہ ثابت ہوا۔"

"آنٹی! میں نہیں مانتا یہ سب۔ آپ مجھے وہ طلاق نامہ دکھائیں۔"

"تم نے ہمیں بے وقوف سمجھ رکھا ہے۔"

"میں نہیں مانتا۔ یہ جھوٹ ہے فراڈ ہے۔"

"زبان سنبھال کر بات کرو۔ ہمیں کیا پڑی ہے تم سے جھوٹ بولنے کی۔"

"میں پھر آؤں گا۔" وہ یہ کہہ کر چلا گیا۔ عائشہ پریشان ہوگئیں۔ شزا الگ مضطرب تھی۔ شہریار کو دیکھ کر پھر سے زخم ہرے ہوگئے تھے۔ جن یادوں کو اس نے بڑی مشکل سے تھپک تھپک کر سلایا تھا' وہ پھر سے جاگ اٹھی تھیں۔ (وہ کیوں لاتعلقی کا اظہار کر رہا ہے' اس طلاق نامے سے کہیں ہم سے پڑھنے میں تو غلطی نہیں ہوگئی؟ مگر میرے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوا؟ تقدیر کی یہ ستم ظریفی مجھ ہی پر کیوں؟) روتے روتے اس نے تکیہ بھگو ڈالا تھا۔

پھوپو نے اس سے طلاق نامے کے بارے میں دریافت کیا تو وہ سوچ میں پڑ گئی۔

"پھوپو! مجھے تو معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہے۔ ایک سال ہونے والا ہے اور پھر ان دنوں دادی کی ڈیتھ کی وجہ سے بھی خیال نہیں رہا۔" اس کے کہنے پر پھوپو خاموش ہوگئیں۔ شہریار دوسرے روز پھر آ گیا اور طلاق نامے کا مطالبہ کیا۔

"آنٹی! دیکھیں میں بہت ڈسٹرب ہوں۔ مجھے نہیں یاد پڑتا میں نے کبھی کسی طلاق نامے پر دستخط کیے تھے۔ میں تو شزا کو طلاق دینے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ پچھلے ایک سال سے میں امریکہ میں کمپیوٹر کورس کے لیے گیا ہوا تھا۔"

"دیکھو میاں شہریار! کیا تمہیں ہماری زبان پر یقین نہیں ہے؟"

"آنٹی! بات یقین کی نہیں' میری زندگی کی ہے۔ مجھے تو اس بات پر یقین نہیں آ رہا کہ واقعی اس طلاق نامے پر میرے دستخط ہیں۔"

"میں نے کہا ناں وہ طلاق نامہ اماں کی وفات کے دوران کہیں گم ہوگیا ہے۔"

"میں نہیں مانتا۔ میں......"

"کیا کر لو گے تم؟ بلیک میل کرو گے ہمیں؟"

"میں کچھ بھی کروں گا مگر شزا کو نہیں چھوڑوں گا۔ وہ میری محبت ہے۔"

"وہ اب کسی کی بیوی ہے۔ شادی شدہ عورت ہے۔ خالی خولی محبت کے دعوے دار بن کر تم اسے نہیں لے جا سکتے۔"

"یہ تو وقت ہی بتائے گا۔ آئی ول چیلنج یو ان کورٹ۔" وہ چلا گیا اور عائشہ سلگ کر رہ گئیں۔

دو دن بعد عدالت کی طرف سے سمن موصول ہوگیا۔ عائشہ کے تو ہاتھ پیر پھول گئے۔ علی کو فوراً بلا بھیجا۔ وہ اسی شام کی فلائیٹ سے آ گیا۔ صورت حال جان کر وہ بھی پریشان ہوگیا۔ فوراً وکیل سے مشورہ کیا۔ وکیل کا کہنا بھی یہی تھا کہ طلاق نامہ دکھایا جائے۔ عدالت طلاق نامہ دکھانے کا مطالبہ کر رہی تھی۔ شہریار کی گرفت کیس پر مضبوط تھی۔ علی گھن چکر بن کر رہ گیا تھا۔ شزا ان عدالتی کارروائیوں سے تنگ آ گئی تھی اور پھر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ چونکہ وہ طلاق نامہ پیش نہیں کر سکے تھے اس لیے شزا کو شہریار کی تحویل میں دے دیا گیا تھا۔ شزا تو عدالت کے اس فیصلے پر سکتے میں آ گئی۔ وہ اپنی آنکھوں سے طلاق نامہ دیکھ چکی تھی' پھر کیسے چلی جاتی اس کے ساتھ۔ اسے ایک دم شہریار کی مکاری سے وحشت ہونے لگی تھی۔

"پھوپو! میں اس کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔" وہ عدالت سے باہر نکلتے ہی مچلنے لگی تھی۔

"میرا خیال ہے ہمیں چلنا چاہیے۔ کیوں شزا؟"

شہریار وہیں آ گیا اور شزا کا بازو تھاما۔ شزا نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"تم یہ مت سمجھنا کہ ہم تمہاری بات اتنی آسانی سے مان لیں گے۔"

"ارے کچھ خدا کا خوف کر۔ خود ہی طلاق بھیج کر اب اسے لینے آ گیا ہے۔" عائشہ کوسنے لگیں۔

"آنٹی! بہتر ہوگا آپ لوگ بحث و تکرار میں اُلجھنے کی بجائے سیدھی طرح میری بیوی کو میرے حوالے کر دیں۔" شہریار بے حد سنجیدہ تھا۔

"شٹ اپ۔ شزا تمہاری کچھ نہیں لگتی۔" علی نے شزا کا ہاتھ تھام کر گاڑی میں بٹھایا۔

"تم لوگ عدالت کے حکم سے روگردانی کر رہے ہو۔ یاد رکھو اس کا رزلٹ بہت بُرا ہوگا۔" وہ دھمکی آمیز لہجے میں بولا۔ وہ لوگ گھر آ گئے۔

"پھوپو! میری وجہ سے آپ کو اتنی تکلیف اٹھانی پڑ رہی ہے ناں۔" وہ عائشہ کے زانو پر سر رکھے سسک رہی تھی۔

"نہیں بیٹا۔ ایسا نہیں کہتے۔ تم تو ہماری اپنی ہو۔"

"پھوپو! میری وجہ سے خاندان میں بہت بدنامی ہوئی ہے ناں۔" وہ بچوں کی طرح سوال کیے جا رہی تھی۔

"میں بہت بُری ہوں پھوپو۔ بہت بُری۔ پیدا ہوتے ہی ماں باپ کو کھا گئی۔ پھر دادو اور اب آپ کے لیے اتنے مصائب......"

"نہ بیٹا۔ بُری بات۔ ایسا نہیں کہتے۔"

"میں...... میں مر جانا چاہتی ہوں پھوپو۔ میں زندہ نہیں رہنا چاہتی۔ یہاں سب دھوکے باز اور مفاد پرست ہیں۔ کوئی مجھ سے محبت نہیں کرتا۔" وہ مسلسل روئے جا رہی تھی۔ عائشہ کے لیے اس کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔

"کس نے تم سے کہا کہ تم سے کوئی محبت نہیں کرتا۔ سب محبت کرتے ہیں۔ میں، لکی اور علی۔"

"نہیں۔" وہ ہذیانی انداز میں چلائی۔ "اس دھوکے باز اور منافق کو مجھ سے محبت نہیں ہے۔ یہ محبت نہیں محض مفاد پرستی ہے۔ وہ پہلے مجھ سے بھائی بن کر ظاہری محبت کا ڈھونگ رچاتا رہا اور اب پھوپو میرا اعتبار مردوں پر سے اٹھ چکا ہے۔ سب مرد ایک سے ہوتے ہیں۔ بدنیت اور آلودہ نظریں رکھنے والے۔" عائشہ دم بخود رہ گئیں۔ وہ کیا اول فول بکے جا رہی تھی۔ علی نے سنا تو اس کا دل بُری طرح بدگمان ہو گیا۔ یہ جان کر کہ وہ ابھی بھی اسے ہی غلط سمجھتی تھی۔ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ شہریار پولیس سمیت آ گیا۔

"اگر آپ لوگ میری بیوی کو میرے حوالے کر دیتے تو مجھے یہ قدم نہ اٹھانا پڑتا۔"

"گیٹ لاسٹ۔ میں کسی صورت شزا کو تمہارے ساتھ نہیں جانے دوں گا۔" وہ اپنی آنکھوں سے طلاق نامہ دیکھ چکا تھا۔ پھر کیسے اسے شہریار کے حوالے کر دیتا۔ ایسا کرنا گویا اس کی غیرت کے لیے تازیانہ تھا۔

"سوری سر۔ عدالت کا حکم پورا کرنا ہمارا فرض ہے۔" چاق و چوبند پولیس آفیسر نے کہا۔ وہ خود قانون کا محافظ تھا، پھر قانون شکنی کیسے کرتا۔ بے بسی سی بے بسی تھی۔ وہ شزا کو اس کی آنکھوں کے سامنے لے گیا اور وہ کچھ بھی نہ کر سکا۔ شزا نے بہت شور مچایا مگر بے سود۔

"علی...... علی تو نے اسے روکا کیوں نہیں؟ کیوں جانے دیا اسے۔" عائشہ نے بت بنے علی کو جھنجوڑا تو گویا وہ حواسوں میں لوٹا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

♥♥♥

"شزا...... شزا میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔" وہ کافی دیر سے اسے چپ کروانے کی کوشش میں لگا رہا۔

"ڈونٹ ٹچ می۔ دور رہو مجھ سے۔" وہ بُری طرح روئے جا رہی تھی۔

"شزا۔ میرا یقین کرو میں نے وہ طلاق نامہ نہیں بھجوایا۔"

"جھوٹ بولتے ہو تم، بکواس کر رہے ہو۔" وہ

چلائی۔

"یہ جھوٹ نہیں ہے۔ مجھے تو یہ سب اس علی کی سازش لگتی ہے۔" شہریار کے کہنے پر وہ ایک دم خاموش ہوگئی۔

"کک...... کیا مطلب؟"

"ہاں شزا۔ یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ یہ اس کی ہی کوئی سازش ہو۔ ہوسکتا ہے اس نے میرے نام سے جعلی طلاق نامہ تیار کروالیا ہو۔"

"مگر...... مگر وہ ایسا کیوں کریں گے؟"

"تمہیں پانے کے لیے۔ مجھے تو وہ شخص شروع سے ہی بدنیت لگتا تھا۔ خود سوچو کوئی بھی شخص جو کسی کو سگی بہن سے بڑھ کر چاہتا ہو وہ بھلا اس سے شادی کے بارے میں سوچ سکتا ہے؟" شہریار کی بات شزا کے دل کو لگی۔ بدگمان تو وہ بھی تھی اور شہریار کی باتیں بدگمانی کو تقویت دے رہی تھیں۔

"دیکھو شزا۔ میں نے جو تم سے شادی کا فیصلہ کیا‘ اپنے ماں باپ کو منایا کیا اسی لیے کہ میں بغیر کسی وجہ کے تمہیں طلاق دے دوں۔ اٹس امپاسبل۔ میں تم سے سچی محبت کرتا ہوں۔ میں سچ کہہ رہا ہوں شزا۔ بلیومی‘ میں تمہارے بنا جینے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔" وہ شزا کا ہاتھ تھامے بول رہا تھا۔ شزا بالکل خاموش تھی۔ اس نے ایک نظر شہریار کے چہرے پر ڈالی۔

"میرا یقین کرو شزا۔ آئی ریئلی لو یو۔" اس کے کہنے پر شزا دھیرے سے مسکرائی تو شہریار نے "یاہو" کا نعرہ لگایا۔ "تھینک یو سو مچ شزا۔ مجھے پتا تھا تم میرا ساتھ دو گی۔"

"ہیلو شیری۔ کیسے ہو تم؟" زنانہ آواز پر وہ دونوں پلٹے تھے۔

"تم؟" شہریار کی پیشانی شکن آلود ہوگئی۔

"ہاں میں۔ بہت حیران ہو رہے ہو ناں تم مجھے یہاں دیکھ کر۔" اس لڑکی کے لبوں پر بڑی شاطرانہ سی مسکراہٹ تھی۔

"گیٹ لاسٹ ٹینا۔ خود چلی جاؤ‘ اس سے پہلے کہ مجھے گارڈز کو بلوانا پڑے۔"

"چلی جاتی ہوں۔ ایسی بھی کیا جلدی ہے۔" وہ لڑکی اب شزا کی طرف آ گئی تھی۔ "ہیلو۔ مجھے ٹینا کہتے ہیں۔ کیا آپ بھی مسز شہریار ہیں؟" شزا لفظ "بھی" پر الجھی تھی۔

"ٹینا! آئی سے گیٹ لاسٹ۔" شہریار غرایا مگر ٹینا پر اس کے غرانے کا مطلق اثر نہ ہوا۔ وہ بالکل پُرسکون تھی۔

"ویسے شیری۔ اس بار تو تمہاری لاٹری نکل آئی ہے۔" ٹینا نے شزا کو سر سے پیر تک جانچتے ہوئے کہا۔

"میں نے کہا بکواس بند کرو۔" شہریار چلایا۔

"سنو۔ تم مجھے ایک اچھی لڑکی لگتی ہو۔ تم اس کے چنگل میں کیسے پھنس گئیں؟" ٹینا کے کہنے پر شہریار نے ایک زوردار تھپڑ اُسے دے مارا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے کو گری۔ شزا بُری طرح خوف زدہ ہوگئی۔

"تم مجھے جان سے بھی ماردو‘ پروا نہیں مگر میں کسی معصوم لڑکی کی زندگی برباد نہیں ہونے دوں گی۔"

"شزا! اس کی باتوں میں مت آنا۔ یہ جھوٹ بولتی ہے۔"

"ہاں‘ میں جھوٹ بولتی تھی مگر صرف تمہاری خاطر۔ اب اور جھوٹ نہیں بولے جاتے مجھ سے۔ شزا! تم بھاگ جاؤ یہاں سے۔ یہ فریبی ہے۔ دھوکے باز ہے۔ باہر کے ممالک کو لڑکیاں سپلائی کرنا اس کا کاروبار ہے۔" ٹینا کی اس بات پر شزا دم بخود رہ گئی۔ "ہاں شزا۔ میں سچ کہہ رہی ہوں۔ یہ بہت مکار شخص ہے۔ اس کی باتوں میں مت آنا۔ میں خود تو اس کے ہاتھوں برباد ہوچکی ہوں مگر تمہیں برباد نہیں ہونے دوں گی۔"

"ٹڑ۔ ٹڑ۔ ٹڑ۔" اگلا لمحہ موت کا تھا۔ شہریار کے ریوالور سے نکلی تینوں گولیاں اس کے سینے میں پیوست ہوگئیں۔ وہ وہیں تڑپ تڑپ کر ٹھنڈی ہوگئی۔ شزا پھٹی پھٹی آنکھوں سے فرش پر بکھرے لہو کو دیکھ رہی تھی۔

"اتنا بڑا دھوکہ۔ اف میرے خدا۔" اسے اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہوا۔

"شزا! میں نہیں چاہتا تھا تمہیں یہ سب پتا چلے۔ خدا

گواہ ہے شزا میں نے تمہیں سچے دل سے چاہا ہے۔"
"جھوٹے' مکار' فریبی۔"
"شزا! یہ سچ ہے میں یہ کام کرتا ہوں مگر تمہارے ساتھ ایسا کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ تم تو میری محبت ہو۔"
"مت نام لو محبت کا۔ تمہارے منہ سے ایسی باتیں بالکل اچھی نہیں لگتیں۔"
"شزا۔ میں نے اپنے والدین کی شدید مخالفت کے باوجود تمہیں اپنایا تھا۔ میں تمہیں چاہتا ہوں شزا۔"
"بکواس بند کرو۔" جانے اسے کیا ہوا۔ اس نے شہریار کے منہ پر تھپڑ دے مارا۔ وہ بلبلا اٹھا۔
"تم ضرورت سے زیادہ ضدی ہو۔ میں تو چاہتا تھا تمہیں آرام سے ہر بات بتاؤں گا۔ مگر تم..... ہاں' میں نے ہی وہ طلاق نامہ تمہیں بھجوایا تھا۔ پورے ہوش و حواس میں۔"
"کک..... کیا؟"
"ہاں۔ اپنے والدین کے دباؤ میں آ کر میں نے طلاق نامے پر دستخط کیے تھے۔ مگر شزا۔ یہ حقیقت ہے کہ میں تم سے سچی محبت کرتا ہوں۔ اسی لیے مجھ سے رہا نہ گیا اور میں تمہیں لینے آ گیا۔ ہم..... ہم دوبارہ نکاح کر لیں گے۔"
"دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔"
"شزا۔ میری جان....."
"شٹ اپ۔ نفرت ہے مجھے تم سے۔"
"مگر مجھے تم سے محبت ہے۔ میں ہر حال میں تمہیں حاصل کر کے رہوں گا۔" شہریار نے اس کا بازو دبوچا تو وہ بدک کر دور ہٹی۔
"شزا جان۔ بس بہت ہو گیا' اب کھیل ختم۔" وہ اس کی طرف بڑھا۔ شزا نے آؤ دیکھا' نہ تاؤ' کارنر پر رکھا پیتل کا گلدان اس کے سر پر دے مارا۔ وہ چکرا کر گرا تھا۔ وہ پھرتی سے باہر نکل گئی تھی اور ٹیکسی لے کر گھر آ گئی۔ سر بری طرح چکرا رہا تھا۔

"پھوپو....." گھر کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی اس کے حواس جواب دے گئے اور وہ لہرا کر زمین پر آ رہی۔
مسلسل تین گھنٹے بے ہوش رہنے کے بعد اسے ہوش آیا تھا۔
"میں..... میں کہاں ہوں؟"
"میری بچی۔ تو اپنے گھر میں ہے' بالکل محفوظ۔" پھوپو کے کہنے پر وہ خالی خالی نظروں سے دیکھنے لگی۔
"وہ..... وہ پھر آ جائے گا پھوپو۔" وہ خوف زدہ سی ہو کر عائشہ سے چپک گئی۔
"کوئی نہیں آ رہا۔ میری چندا' وہ یہاں آ ہی نہیں سکتا۔" پھوپو کی تسلی پر وہ پُرسکون تو ہو گئی مگر دل میں ایک خوف سا تھا۔ اسے پتا تھا شہریار اتنی آسانی سے اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔
"پھوپو۔ وہ..... علی....."
"تمہیں پتا ہے شزا۔ شہریار گرفتار ہو چکا ہے؟"
"کیا؟" پھوپو کی بات پر اس کی تمام حسیات بیدار ہو گئیں۔
"ہاں۔ تمہارے یہاں آنے کے فوراً بعد ہی علی نے پولیس پارٹی کے ہمراہ شہریار کے گھر پر ریڈ کیا تھا۔ وہ گرفتار ہو چکا ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی علی کا فون آیا تھا اور پتا ہے اماں کے بکس میں سے وہ طلاق نامہ بھی مل گیا ہے۔" اس پر انکشاف ہو رہے تھے۔
شہریار گرفتار ہو چکا تھا' علی نے وہ طلاق نامہ عدالت میں پیش کر دیا تھا۔ سب اُلجھنیں ختم ہو چکی تھیں۔ اس نے اپنا ٹرانسفر بھی یہیں کروا لیا تھا۔ البتہ شزا اور علی میں سرد جنگ جاری تھی۔ دونوں انا کے ہاتھوں مجبور تھے۔ عائشہ پھوپو دونوں کو سمجھا سمجھا کر تھک چکی تھیں۔
"امی! آپ مجھے ہی سمجھاتی رہتی ہیں۔ کبھی اپنی اس لاڈلی کو بھی سمجھا دیا کریں۔ اس سے کہیں میرے صبر کا اور امتحان نہ لے۔ بہت کر لی اس نے من مانی۔ رہنا ہے تو سیدھی طرح بیوی بن کر رہے ورنہ پھر مجھ سے الگ ہو جائے۔ میں چند روز کے لیے اسلام آباد جا رہا ہوں۔

اسے کہہ دیں میری واپسی تک حتمی فیصلہ کرلے۔" وہ خاصا برہم ہورہا تھا۔ عائشہ تو بیٹے کے تیور دیکھ کر ہی پریشان ہوگئیں۔ وہ اسلام آباد چلا گیا۔

شزا کی عجیب سی حالت ہورہی تھی۔ وہ سارا سارا دن بولائی بولائی ایک کمرے سے دوسرے کمرے تک چکر کاٹتی رہتی۔ اس روز پھوپو صبح کے وقت قرآن پاک کی تلاوت کررہی تھیں۔ شزا کا دل موم کی مانند پگھلنے لگا۔ وہ پھوپو کے گھٹنے پر سر رکھ کر بے آواز رونے لگی۔ آنسو قطرہ قطرہ بہہ رہے تھے۔

"شزا کیا ہوا؟"

"پھوپو میں کیا کروں۔ مجھے سکون کیوں نہیں ملتا۔"

"اللہ سے سکون مانگو۔ وہ تمہیں خالی ہاتھ نہیں لوٹائے گا۔ وہ بڑا غفور الرحیم ہے۔ ہر مشکل ہر پریشانی کا حل اسی ذات پاک کے پاس ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جب میرا بندہ میری طرف ایک قدم بڑھاتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر جاتا ہوں۔ وہ تو ستر ماؤں سے بڑھ کر چاہنے والا ہے۔" پھوپو اس کے بالوں میں دھیرے دھیرے ہاتھ پھیر رہی تھیں۔

"تمہیں پتا ہے شزا! شوہر کا کیا درجہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر خدا کے بعد کسی کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورت سے کہتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ اس سے دیکھ لو شوہر کا کیا مقام ہے۔"

"اور بیوی؟ اس کا کوئی مقام نہیں؟"

"کیوں نہیں۔ اسلام نے عورت کو جتنی عزت دی ہے اتنی کسی مذہب نے نہیں دی۔ مردوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی بیویوں سے نرمی کیا کریں اور وہ قیامت کے دن جوابدہ ہوں گے۔ تمہیں پتا ہے شزا! جو عورت ایک رات بھی اپنے شوہر کو ناراض کرے اس کی بات ماننے سے انکار کرے تمام رات فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔ میں جانتی ہوں تمہارے لیے اس رشتے کو قبول کرنا بہت مشکل ہے۔ مگر دیکھو صرف زبان سے کہہ دینے سے کوئی کسی کا بھائی یا بہن نہیں بن جاتے۔ تمہیں پتا ہے اسلام میں منہ بولے بھائی سے شادی جائز ہے کیوں کہ صرف زبان سے بھائی یا بہن کہہ دینے سے نامحرم رشتے محرم نہیں ہوجاتے۔ خود ہمارے رسول پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منہ بولے بیٹے حضرت زیدؓ کی مطلقہ حضرت زینبؓ سے عقد کیا تھا' صرف اس لیے کہ امت پر منہ بولے اور سگے کا فرق واضح ہوجائے۔" عائشہ پھوپو کی باتیں وہ بڑے غور سے سن رہی تھی۔ "تمہاری طرح علی بھی اس شادی پر راضی نہیں تھا۔ تم نہیں جانتی کہ میں نے اور لگی نے کس طرح اسے جانے کون کون سے واسطے دے کر منایا تھا۔ مجھے یہی خوف تھا کہ اگر میں تم دونوں کی شادی نہ کرواسکی تو روزِ محشر اپنی ماں کو کیا منہ دکھاؤں گی۔ بیٹا..... بندے تو محض وسیلہ بنتے ہیں' قسمتوں کے فیصلے تو انسان کے پیدا ہوتے ہی کردیئے جاتے ہیں۔"

"پھوپو! وہ..... وہ بہت ناراض ہوکر گئے ہیں ناں۔ میں انہیں کیسے مناؤں گی؟" وہ ہونٹ کاٹنے لگی۔ آنسو تھم چکے تھے۔

"ارے میری چندا۔ میرا بیٹا دل کا بہت اچھا ہے۔ تم مناؤ گی ناں تو وہ مان جائے گا۔ دل سے ساری بدگمانیاں نکال پھینکو۔" پھوپو کے کہنے پر وہ پُرسکون سی ہوگئی۔

علی ایک ہفتے بعد واپس آیا تھا۔ اس کا موڈ ہنوز خراب تھا۔ اس کی طرف تو نظر اٹھا کر بھی دیکھنا گوارہ نہیں کیا۔ شزا اس کے تیور بھانپ کر کچھ خوف زدہ سی ہوگئی مگر بار بار خود کو مضبوط کرتی۔ آخر کو یہ اس کی زندگی کا معاملہ تھا۔ دو دن اسی کشمکش میں گزر گئے۔ اس روز وہ آفس جانے کے لیے تیار ہورہا تھا جب وہ اندر چلی آئی۔ ایک نظر اس لمبے چوڑے خوبرو مرد پر ڈالی۔ پولیس یونیفارم میں وہ بے حد جچ رہا تھا۔

"کیا بات ہے۔ کوئی کام تھا کیا؟" علی کے پوچھنے پر وہ ایک دم وہ گڑبڑا گئی۔

"ہاں..... نہیں وہ..... ناشتہ....."

"تم چلو۔ میں آرہا ہوں۔ ایسا کون سا خاص ناشتہ

بنایا ہے آج کہ مجھے بلانے چلی آئیں۔" وہ یوں ہی جلی کٹی سناتا رہتا تھا۔ وہ چپ چاپ باہر چلی آئی۔ پھوپو کئی روز سے ککی آپا کے ہاں جانے کا کہہ رہی تھی۔ علی کے جانے کے بعد وہ بھی چلی گئیں۔ آفس سے علی آیا تو آتے ہی سو گیا۔ شام میں اس کے دوست آ گئے۔ دوستوں سے فارغ ہو کر وہ نو دس بجے کے قریب اپنے کمرے میں چلا گیا۔ وہ پوری طرح شزا کو نظر انداز کر رہا تھا۔ شزا نے تیار ہونے کے بعد ایک ناقدانہ نگاہ اپنے سراپا پر ڈالی۔ کھلتے ہوئے سرخ رنگ کی ساڑھی میں وہ بے حد نفیس لگ رہی تھی۔ بالوں کو کھلا چھوڑ دیا' ریڈ لپ اسٹک اس کے گورے رنگ پر چمک رہی تھی۔ پرفیوم کو خاصی فراخ دلی سے اسپرے کرنے کے بعد وہ باہر نکل آئی۔ کچھ جھجکتے ہوئے علی کے کمرے کا دروازہ نوک کیا۔

"یس۔" دلکش بھاری آواز پر وہ دروازہ دھکیل کر اندر چلی آئی۔ علی نے ایک سرسری سی نظر اس پر ڈالی۔ وہ تو شعلۂ جوالہ بنی ہوئی تھی۔

"جی فرمایئے؟" تیکھے چتون سے اسے گھورا۔

"وہ..... میں آپ کے لیے چائے لائی تھی۔

"میں نے تو چائے نہیں مانگی۔ مگر چائے کہاں ہے؟"

"اوہ۔ وہ تو شاید میں کچن میں بھول گئی۔" (پوری ڈفر ہوں میں۔ چائے تو لائی نہیں۔)

"آپ جایئے۔ مجھے چائے نہیں چاہیے۔" علی کا لہجہ بے حد روکھا تھا۔

"علی..... آئی ایم سوری۔" علی نے ایک نظر اس کو دیکھا۔ آنکھیں بند کیے' ہونٹ کاٹتی وہ اس کے سامنے مکمل آزمائش بنی کھڑی تھی۔ آنسو شبنم کے قطروں کی طرح گر رہے تھے۔ علی کا دل پسیج گیا۔

"تم مجھ جیسے منافق اور بدنیت سے کیوں معافی مانگ رہی ہو؟"

"علی پلیز..... میں معافی مانگ رہی ہوں ناں۔" اس کے رونے میں تیزی آ گئی۔

"کم آن۔ ایک تو تمہارا بچپنا ابھی تک نہیں گیا۔ ویسے اس تبدیلی کی وجہ جان سکتا ہوں؟" اس کا موڈ ایک دم خوش گوار ہو گیا تھا۔ ایک انا کی دیوار تھی جو شزا نے خود ہی گرا دی تھی۔

"پھوپو کہتی ہیں شوہر کو ناراض کرنے والی عورت کبھی جنت میں نہیں جائے گی۔"

"تو یوں کہو ناں کہ جنت کا لالچ یہاں لے آیا ہے۔" وہ شرارت سے گویا ہوا۔

"آپ کچھ بھی کہیں۔ مگر مجھے معاف کر دیں۔ میں ہر سزا بھگتنے کو تیار ہوں۔"

"سزا تو تم کو ضرور ملے گی۔" علی نے ایک بھرپور استحقاقانہ نظر اس کے دلکش سراپے پر ڈالی۔

"سزا.....؟" شزا کا حلق خشک ہونے لگا۔

"کیا ہوا؟ ابھی تو بڑے ڈائیلاگ مار رہی تھیں۔"

"وہ تو میں نے ایسے ہی کہا تھا۔ آپ تو سچی مچی....." وہ روہانسی ہو گئی اور پیچھے ہٹنا چاہتی تھی جب علی نے ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے قریب کر لیا۔

میری نیم جاں انا تھی' میری کج ادائی کے پیچھے
تجھے بھول کیوں نہ جاتے اگر اختیار ہوتا
کبھی رائیگاں نہ جاتی شب وصل اس طرح جو
مجھے اختیار ہوتا' تجھے اعتبار ہوتا

اس کے کان میں سرگوشی کے سے انداز میں شعر پڑھا۔ لہجے میں جذبوں نے بھاری پن پیدا کر دیا۔ شزا کی لوئیں تک سرخ ہو گئیں۔ کوئی جائے فرار نہ پا کر اس نے کائنات کی سی وسعت رکھنے والے سینے میں چہرہ چھپا لیا۔